مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد

لاہور پاکستان

مدیر مسئول
اشرف علی تھانوی

مدیر
خلیل احمد تھانوی

شمارہ ۱۰	جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ / ستمبر ۲۰۰۰ء	جلد ۱

التبشیر

(خوشخبری)

ازافادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = ۱۰ روپے ○ زر سالانہ = /۱۰۰ روپے

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
پتہ دفتر
ماہنامہ الامداد
۲۹۱ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون نمبر
۵۴۲۲۲۱۳۔۷۴۸۰۹۰

ناشر: اشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
[illegible]

مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

التبشیر

حضرت والاؒ نے یہ وعظ جامع مسجد تھانہ بھون میں ۱۲/ ذی الحجہ
۱۳۳۲ھ کو ۲ گھنٹے ۵۰ منٹ بیٹھ کر بیان فرمایا۔
سامعین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ تھی۔
مولوی عبدالحکیمؒ نے اسے قلم بند فرمایا۔

التبشیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم[1]

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ و نستغفرہ ونؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداًعبدہٗورسولہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم.

اما بعد: فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسرا ولاتعسرا وبشرا ولا تنفروا وتطاوعاولا تخلفا

یہ ایک حدیث ہے کہ جس کے تین جملے ہیں۔ تین اس معنی کر ہیں کہ باعتبار تعلق معنوی کے دو دو جملے مربوط[2] ہیں کہ جو حکم میں ایک ہی کے ہیں ورنہ یوں تو چھ جملے ہیں۔

اور اس کے مخاطب[3] اول حضرت موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل ہیں اور اول کی قید اس واسطے لگائی کہ مخاطب ثانی تمام امت[4] ہے وہ امت جن کو ان احکام کی ضرورت پیش آئے وہ سب اس کے مخاطب ہیں اور خطاب اس وقت کا

---

(۱) خوشخبری (۲) معنوی تعلق کے اعتبار سے دو دو جملے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اس لیے تین جملے ہوئے (۳) سب سے پہلے یہ حکم حضرت موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ کے لیے ہے (۴) دوسرے نمبر پر اس حکم کی مخاطب تمام امت ہے

ہے جبکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یمن کے دو علاقوں پر ان دونوں حضرات کو حاکم بنا کر بھیجا تھا ایک علاقہ پر ایک کو اور دوسرے پر دوسرے کو۔ اور دونوں کی سرحد ملی ہوئی تھی، اس لیے عادۃً یہ بات[1] لازم تھی کہ وہ دورہ میں جب اپنی اپنی سرحد پر پہنچیں گے تو التقات[2] ہوگا نیز ملکی معاملات میں بھی باہم ایک کا اثر دوسرے پر پہنچے گا۔ اس واسطے حضور ﷺ نے دونوں صاحبوں کو ایسے احکام تعلیم فرمائے جن میں بعض وہ ہیں جن کا حاکم کو رعایا[3] سے تعلق رکھنے میں لحاظ رکھنا ضروری ہے اور بعض وہ ہیں کہ جب ان دونوں صاحبوں کو سرحد کے ملے ہونے سے باہمی تعلقات رکھنا ضروری ہیں تو ان احکام کا باہمی تعلقات قائم رکھنے کے لیے لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے یا یوں کہو کہ اس میں ضمناً یہ امر تھا کہ باہمی تعلقات رکھیں اور اس کا طریقہ یہ بتلادیا۔

تعیین مضمون

غرض اول کے دو حکم ایسے ہیں کہ اپنے محکومین[4] کے ساتھ ان کا لحاظ رکھیں اور اخیر کا امر[5] ایسا ہے کہ باہمی تعلقات[6] میں اس کا لحاظ رکھیں یہ حاصل ہے اس حدیث کا یہ مضمون گو نمکین نہ ہوگا مگر تلخ[7] بھی نہ ہوگا، بلکہ شیریں[8] ہوگا کہ بعض اوقات طبائع سلیمہ کو شیرینی[9] کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس معنی کر وہ نمکین سے بڑھ جاتا ہے اور تفصیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ہاں ضمناً اگر کوئی ڈلی نمک کی آپڑے تو اور بات[10] ہے۔ میں نے اس واسطے

---

(۱) اس لیے عادۃً یہ بات پیش آنے والی تھی (۲) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوگا (۳) عوام (۴) اپنے تابع لوگوں کے ساتھ (۵) حکم (۶) ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں (۷) کڑوا کسیلا (۸) میٹھا (۹) نیک طبیعتوں کو مٹھاس کی بھی ضرورت ہوتی ہے (۱۰) ڈلی نمک یعنی کوئی نمکین مضمون بھی بیان ہوجائے تو دوسری بات ہے

اسے تمہید میں مصرح[۱] کر دیا کہ شاید پہلے کے بعض مضامین کی طرح اس میں بھی منتظر رہیں کہ شورش ہوگی جوش ہوگا تو اب شورش وجوش کا انتظار نہ کریں اور ہاں شیریں سے وہ مراد نہیں جس کی تقتضا[۲] کبھی کبھی ضرورت پڑتی ہے بلکہ یہ شیریں ایسا ہے جس کے استعمال کی ہر حالت میں ضرورت ہے نہ کہ تقتضا[۳] کہ کبھی کبھی استعمال کر لیا جاوے۔ وجہ اس کے اختیار کرنے کی یہ ہے کہ یوں تو بہت مضامین ضروری ہیں مگر پھر بھی ان میں کئی قسم ہیں بعض تو وہ ہیں جن کی حاجت بھی شدید[۴] ہے اور لوگوں کو اس طرح توجہ بھی زیادہ ہے اور بعض وہ ہیں جن کی حاجت تو شدید بلکہ اشد[۵] ہے مگر توجہ بہت کم ہے تو مضمون اول قسم سے زیادہ قابل بیان کے ہوگا، چنانچہ یہ مضمون بھی بالخصوص ہے کہ جس کی طرف توجہ کم اور حاجت زیادہ ہے۔

انسان کی دو حالتیں

اور حاصل اور خلاصہ اس کا یہ ہوگا (اس کو بطور مقدمہ کے پہلے سمجھ لیا جائے تاکہ اس سے اس حدیث کا پورا پورا لطف آئے) کہ ہر شخص کی دو حالتیں ہیں ایک اصلاح کی دوسری مصلح[۶] کی یا یوں کہو ایک صالح[۷] بننے کی دوسری مصلح[۸] بننے کی ہر چند کہ پہلی حالت بھی اصلاح کے مصدر سے مشتق[۹] ہو سکتی تھی کہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہوتا مگر ضرورت کیا کہ مصلح کا لفظ کہہ کر ایک

(۱) تمہید کے طور پر اس بات کی وضاحت کرنی ہے (۲) میٹھے سے مراد وہ میٹھا نہیں جس کی ضرورت بطور میوہ جات کے کبھی کبھی ہوتی ہے (۳) نہ کہ خشک میوہ (۴) سخت ضرورت ہے (۵) جن کی ضرورت زیادہ ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہے (۶) اصلاح کرنے والا (۷) نیک بننے کی (۸) نیک بنانے والا یعنی شیخ (۹) مصدر اصلاح سے اس کو نکالا جاسکتا تھا

مضاف الیہ بڑھاؤں[1] یعنی مصلح النفس سمجھوں اس لیے بھی کہنا مناسب ہے کہ ایک حالت صلاح[2] کی ہے اور ایک اصلاح[3] کی اس میں قافیہ بھی ہوگیا اور فن بدیع کی رعایت بھی ہوگئی۔

بہرحال ہر شخص کی دو حالتیں ہیں اور ان میں سے ہر وقت ایک نہ ایک ضرور رہے گی اور یہ تردید بطور مانعۃ الخلو کے ہے کیا معنی کہ یہ تو جائز نہیں کہ نہ حالت صلاح ہو نہ حالت اصلاح کیونکہ اصلاح[4] غیر کسی وقت نہ بھی ہو مگر اپنی صلاحیت تو ہر وقت ضروری ہے اس سے کوئی شخص کسی وقت خالی نہیں ہاں یہ جائز ہے کہ حالت صلاح بھی ہو اور حالت اصلاح بھی ہو بہرحال یہ دو حالتیں ہیں اور ہر حالت کے کچھ آداب ہیں اور کچھ حقوق ہیں۔ سو حالت صلاح کے حقوق و آداب تو اکثر بیان ہوتے رہتے ہیں اس لیے اس وقت دوسری حالت یعنی اصلاح کے حقوق و آداب کو بیان کے لیے اختیار کیا ہے سو جاننا چاہیے کہ آج کل اول تو کسی کو کسی کی اصلاح کی فکر ہی نہیں عام طور پر آزادی ہے۔ ع

کسے را باکسے کارے نہ باشد[5]

ہر شخص کا عمل ہے لیکن بہت تاسف کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ یہ برتاؤ فقط دینی امور میں ہے اگر یہ حالت عام ہوتی کہ جس طرح دینی امور میں دوسروں سے لاپروائی ہے دنیوی امور[6] میں بھی ایسی ہی لاپروائی ہوتی تو یہ تو جب بھی نہ ہوتا کہ شکایت نہیں شکایت تو جب بھی ہوتی مگر کم ہوتی نفس شکایت کی وجہ تو یہی ہوتی

---

(۱) جب مصلح کہیں گے تو معنی یہ ہونگے کہ یہاں ایک مضاف الیہ محذوف ہے یعنی نفس اور معنی یہ ہونگے اپنے نفس کی اصلاح کرنے والا (۲) انسان نہ صلاحیت ہے کہ نیکی قبول کرے۔ اس نے اس صلاحیت سے کام لیکر اپنی اور دوسروں کی اصلاح کرنا (۳) دونوں حالتوں میں سے کوئی ایک حالت ضرور ہوگی یا صلاح کی یا اصلاح کی (۴) دوسرے کی اصلاح (۵) کسی کو کسی سے تعلق نہیں ہے (۶) دنیا کے کاموں میں

کہ دین کو دنیا پر قیاس نہیں کر سکتے کہ ایک شخص اگر ایک دنیوی امور میں آزادی رکھتا ہے تو دینی امور میں بھی آزادی رکھے تو کوئی شناعت نہ ہو اس لیے کہ دین بہت مہتم بالشان ہے بخلاف دنیا کے کہ دین کے مقابلہ میں کچھ بھی اہتمام کے قابل نہیں۔

کسب دنیا کے مختلف درجات

میں نہیں کہتا کہ دنیا سعی و تحصیل کے قابل نہیں کیونکہ اہتمام اور شے ہے سعی اور شے ہے[1] اہتمام مقاصد کا ہوتا ہے سعی مبادی کی بھی ہوتی[2] ہے تو دنیا کی سعی و تحصیل سے ممانعت نہیں، یہی وجہ ہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ نے جہاں **الدنیا راس کل خطیئة**[3] فرمایا ہے وہاں **کسب الحلال فریضة بعد الفریضة**[4] بھی فرمایا ہے۔ دیکھیے کسب کو تو حضور ﷺ فرض فرما رہے ہیں گو یہ حکم کم ہمت لوگوں کے لیے ہوتا ہے[5] اور جس کو ہمت ہو اس کے لیے فرض کفایہ ہے یعنی اگر ساری دنیا کے آدمی تحصیل دنیا چھوڑ دیں تو گنہگار ہوں گے ہاں اگر اہل ہمت چھوڑ دیں اور کم ہمت مشغول ہوں تاکہ تارکان اسباب کو معونت[6] ہو تو سب کے ذمہ سے فرض ادا ہو جائیگا۔ دیکھیے ہم تو دنیا کو فرض بتاتے ہیں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا چھڑاتے ہیں۔ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تحصیل دنیا میں اتنا توغل[7] کیا جائے کہ تمام اہل دنیا پر دنیا کی پرستش[8] واجب کردی

---

(۱) کسی چیز کا اہتمام کرنا اور ہے اور اس کے لیے کوشش کرنا اور (۲) جو چیزیں مقصود کے درجہ میں ہوں ان کے لیے اہتمام کیا جاتا ہے اور ابتدائی درجہ کی چیزوں کے لیے صرف کوشش (۳) حب دنیا ہر برائی کی جڑ ہے (۴) نماز روزے کے بعد سب سے بڑا فریضہ حلال روزی کمانا ہے (۵) کم ہمت لوگوں کے لیے کسب دنیا فرض عین ہے (۶) ترک دنیا کرنے والوں کی مدد ہو (۷) اشغل (۸) پوجنا

جائے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے اتنا بھی بہت ہے کہ ہم فرض کہتے ہیں مگر اس میں تفصیل ہے۔ سنیئے اگر اہل دنیا متفق ہو کر تجارت، ملازمت، زراعت چھوڑ دیں تو سب کے سب گنہگار ہوں گے اس واسطے کہ جہاں انسان کی حقیقت روح ہے وہاں اس کا قوام بدن[1] سے ہے اور وہ بغیر اجتماع و اہتمام کے قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے تمام اہل دنیا پر فرض ہے کہ اتنا اسباب جمع کردیں کہ لوگ کافی طور پر تدبیر بدن کر سکیں اگر اتنا اسباب مہیا ہوجائے تو جو لوگ ترک اسباب کردیں ان کے لیے کچھ حرج نہیں لیکن کم ہمت پر اب بھی فرض ہے کہ وہ زراعت پیشہ ہو تو زراعت کرے تجارت پیشہ ہو تو تجارت کرے ملازمت پیشہ ہو تو ملازمت کرے اسی واسطے جب ہمارے حضرت سے کوئی شخص بیعت ہو کر پوچھتا کہ نوکری چھوڑ دوں تو فرماتے تھے نہیں نہیں ایسا ہرگز نہ کرنا۔

جس کی آمدنی حرام ہو وہ کیا کرے

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کوئی نوکری ایسی بھی ہو کہ نامشروع ہو اور مشروع[2] نہ ملتی ہو تو نہ چھوڑو۔ ہاں اپنے کو گنہگار سمجھو۔ اگر کوئی کہے کہ امر نامشروع[3] کے چھوڑنے سے منع کرتے ہیں تو صاحبو! ہم نامشروع کے چھوڑنے سے منع نہیں کرتے بلکہ ایک نامشروع کو سپر[4] بناتے ہیں بہت سے نامشروع کے لیے یعنی اس وقت اگر اسے چھوڑے گا نہ معلوم کتنے معاصی[5] میں مبتلا ہوگا کہیں چوری کرے گا جوا کھیلے گا جھوٹی گواہی دیگا لوگوں کا قرض لے کر مارے گا اور نہ معلوم کیا کیا آفتیں کرے گا۔ پھر جب آگے بڑھے تو یہ خیال

(۱) روح کا قیام بدن سے ہے اگر بدن نہ رہے روح بھی اپنے مقام پر چلی جائیگی دنیا میں نہ رہیگی (۲) نوکری ناجائز ہو اور جائز ملتی نہ ہو (۳) ناجائز کام (۴) ڈھال (۵) گناہوں

ہوگا کہ اے نفس تو اس قدر معاصی میں مبتلا ہے تیری نجات کیا ہوگی بس جب نجات نہ ہوگی تو الگ کرو سارا جھگڑا اور خوب جی کھول کے جو کچھ ہوسکے کرلو اے لیجئے ایک نامشروع کے ترک سے کفر کی[1] حد تک پہنچ گیا اب بتائیے یہ اچھا ہے کہ ایک نامشروع[2] میں مبتلا ہوکر مسلمان رہے یا یہ اچھا ہے کہ ایک نامشروع کو چھوڑ کر بہت سے نامشروع میں بھی مبتلا ہو اور پھر مسلمان بھی نہ رہے من ابتلی ببلیتین فلیختر اھو نھما جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو اس کو چاہئے کہ ہلکی مصیبت کو اختیار کرے۔ مثلاً ایک طرف بیس گز کی کھائی[3] ہے اور ایک طرف کنواں ہے جس میں پچاس ہاتھ پانی ہے وہاں ممکن ہی نہیں کہ گر کر زندہ رہ سکے جب یہ معلوم ہوگیا کہ بغیر گرے پناہ نہیں تو عقل کا فتویٰ تو یہی ہے کہ کھائی اختیار کرے کہ بلا سے ہاتھ منہ ہی ٹوٹنے پر ٹلے گی جان تو بچ جائے گی۔ اسی طرح یہاں بھی واقع میں ایک مصیبت کی اجازت نہیں ہے بلکہ اور سینکڑوں معاصی سے بچانا ہے۔ جب ہماری نیت بخیر ہے تو ممکن ہے کہ ہم پر حق تعالیٰ کے یہاں ملامت نہ ہو۔

موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو سحر دکھانے کی اجازت کیوں دی

بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے واقع پر جو اشکال وجواب ہے وہی ہمارا بھی جواب ہے۔ قالوا یاموسیٰ اما ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین قال القوا۔ الایہ[4]۔ موسیٰ علیہ السلام سے ساحروں نے پوچھا کہ تم

(۱) ایک ناجائز کام کے چھوڑنے سے کفر تک بات جا پہنچی (۲) [illegible] (۳) [illegible]
(۴) سورۃ الاعراف آیت ۱۱۵-۱۱۶

اپنا عصا[۱] ڈالتے ہو یا ہم ڈالیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو۔ اشکال یہ ہے ساحروں کا یہ کہنا کہ اما ان نکون نحن الملقین جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم کفر کریں کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے آئے اور گویا یہ کہتے تھے کہ تم اظہار حق کرتے ہو یا ہم اظہار کفر کریں۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا القوا یعنی تم اظہار کفر کرو تو کیا موسیٰ علیہ السلام نے اظہار کفر کی اجازت دیدی۔ پس جو جواب ہے اس اشکال کا وہی ماخذ ہے ہمارے قول مذکور کا، جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو احقاق حق مقصود تھا[۲] اس احقاق کے لیے اجازت اظہار کفر کو وسیلہ بنایا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام یہ جانتے تھے جب میں عصا ڈالوں گا تو یہ سارے سحر مضمحل[۳] ہو جائیں گے جب تک سارے سحر ظاہر نہ ہولیں گے تو ظہور معجزہ ہو گا کیسے۔ تو واقع میں اظہار کفر کی اجازت نہ تھی بلکہ احقاق حق[۴] کی تمہید تھی پس جو اس جواب کا حاصل ہے وہی ہمارا جواب ہے کہ ظاہراً اجازت ہے امر غیر مشروع[۵] کی مگر حقیقت میں روکنا ہے۔

صوفیاء کے ترک اسباب کی وجہ

بہر حال ہمارے حضرات ضعفاء کے واسطے اسباب کا چھوڑنا پسند نہیں کرتے ہاں جو لوگ خدام دین اہل ہمت ہیں ان کے لیے یہی زیادہ مناسب ہے کہ وہ اسباب ترک کر دیں کہ دو کام ایک شخص سے نہیں ہو سکتے۔ دیکھو ملازم گورنمنٹ کو کسی اور ملازمت یا تجارت وغیرہ کی اجازت نہیں ہوتی اسی طرح سرکار حقیقی کے ملازم کو بھی نازیبا[۶] ہے کہ کسی اور کی ملازمت کرے یا تجارت کرے جس طرح

---

(۱) ڈالو تم (۲) حق کا ثابت کرنا مقصود تھا (۳) اس حق کو ثابت کرنے کے لیے اظہار کفر کو ذریعہ بنایا (۴) سب جادو کمزور پڑ جائیں گے (۵) اثبات حق کی تمہید تھی (۶) ایک ناجائز کام کی (۷) نامناسب ہے

ملازم۔ گورنمنٹ سلطنت کو اپنے مصارف کا کفیل سمجھتا ہے۔ اسی طرح اسے کبھی حق تعالیٰ کو اپنی معیشت کا ذمہ دار سمجھنا چاہیے۔ اگر کوئی عالم قاضی ہو جائے یا اور کسی منصب پر فائز ہو جائے تو اس کا اصلی کام ہے اسے پورے طور پر ہرگز ادا نہیں کر سکتا۔

علماء کا کام

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ سے ایک شخص نے نماز کا مسئلہ پوچھا قاضی صاحب نے حوض پر وضو کیا اور دو رکعت شکریہ کی پڑھیں، پھر مسئلہ بتایا۔ اس نے پوچھا حضرت مسئلہ بتانے میں اتنا توقف کیوں کیا۔ فرمایا کہ کئی سال میں نماز کا مسئلہ پوچھا گیا ورنہ حدود قصاص بیع و شراہی کے مسائل سے سابقہ تھا۔ کیونکہ قاضی تھے، قاضی کے یہاں تو دنیا ہی کے جھگڑے پیش ہوتے ہیں اور ظاہر ممکن ہے کہ لوگ قاضی صاحب سے اس لیے نماز کے مسئلے نہ پوچھتے ہوں کہ سمجھتے ہوں کہ فرصت نہیں مگر ہمیں تو فرصت ہے کہ کوئی ویسا شغل نہیں مگر لوگوں کو خود توجہ نہیں کہ کوئی شخص ہم ہی سے کوئی مسئلہ پوچھنے آتے بھی ہیں تو یہ فرمائش ہوتی ہے، کہ تعویذ دیدو، صاحبو علماء سے تعویذ کی درخواست کرنا ایسا ہی ہے جیسے سونار سے یہ کہنا کہ گھانس کھودنے کا کھرپا بنادو۔ سونار کا کام تو یہ ہے کہ وہ عمدہ نازک زیور بنائے اسی طرح علماء کا کام مسئلے بتانا ہے۔ افسوس گوشہ نشینوں سے دنیا کے کام کراتے ہو گیا انہوں نے تمہارے دنیا کے کام کرنے کے لیے دنیا کو چھوڑا ہے۔ ہاں دنیا کے کاموں کے لیے دعا کرانا جائز ہے۔

شکایت تو تعویذ کی ہے ہاں اگر دس باتیں دین کی پوچھیں اس میں ایک

دنیا کی بھی پوچھ لی تو کچھ حرج نہیں۔ اب غضب (۱) تو یہ کرتے ہیں کہ دو ماہ میں تو تشریف لائے اور کہا گیا، کہ ایک تعویذ دیدو فلاں کو بخار آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ ریاضت کرتے ہیں اس سے قوت متخیلہ بہت بڑھ جاتی ہے۔ بس جسے تعویذ دیدیں گے وہ چھٹ پٹ اچھا ہو جاوے گا۔

علماء کی ناقدری کی مثال

اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ ہماری مثال ایسی ہے کہ ایک شخص بخیل (۲) تھا اس نے بہت سے باورچی نوکر رکھ چھوڑے تھے مگر کوئی عمدہ کھانا کبھی کسی سے نہ پکواتا تھا۔ ایک دن ان کے داروغہ نے اس بخیل سے کہا کہ حضور کبھی مہینے دو مہینے میں تو کوئی عمدہ چیز پکوالیا کیجیے اور یوں خالی بیٹھے رہنے سے تو ہم اپنا فن بھی بھول جائیں گے۔ بس یہی حالت ہماری ہے کہ کوئی ہم سے مسئلے پوچھتا نہیں جس سے یہ نوبت پہنچی کہ ہم مسئلے بھولنے لگے کوئی بیع وشرا (۳) کا مشکل مسئلہ آجاتا ہے تو یاد ہی نہیں جو بغیر کتاب کے بتلا سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شریعت کے موافق معاملہ کرتا ہی نہیں۔ بہر حال دنیا کے اندر اتنے منہمک ہو رہے ہیں کہ اہل دین سے بھی دنیا ہی کا سوال کرتے ہیں۔ اس وقت بے توجہی کی وجہ سے دین کی بات نہیں پوچھتے۔ اس وقت لوگوں کو اتنی بے توجہی تو نہ تھی مگر خود قاضی صاحب کو فرصت نہ تھی۔

بیک وقت دو کام کرنا مشکل ہے

بہر حال دو کام جمع نہیں ہوتے، حتی کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ

(۱) ظلم یہ کرتے ہیں (۲) کنجوس (۳) خرید و فروخت

مولانا محمد مظہر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں ذکر شغل اور درس و تدریس جمع نہیں ہوسکتے یہ ہم نہیں مان سکتے کیونکہ دونوں کام دین کے ہیں نہ جمع ہونے کی کوئی وجہ نہیں مولانا نے فرمایا خیر نہ مانیے، پھر جب خود ذکر و شغل کیا تو تمانع(۱) ہوا بس اقرار کرلیا کہ واقعی دونوں جمع ہو نہیں سکتے۔

میں دیوبند میں طالب علم تھا حضرت مولانا گنگوہیؒ وہاں تشریف لے گئے میں نے بیعت کی درخواست کی فرمایا اس وقت یہ شیطانی خیال ہے جب کتابیں ختم ہوجائیں گی اس وقت اس کا قصد کرنا۔ اس وقت تو مولانا کے اس فرمانے سے بہت تعجب ہوا۔ مگر اب معلوم ہوگیا کہ واقعی ٹھیک فرمایا تھا کیونکہ تحصیل علم فرض ہے گو یہ بھی فرض ہے۔ اور ہم نے مانا کہ تحصیل علم سے بڑھ کر ہے مگر جس طرح نماز فرض ہے اور وضو سے بڑھ کر ہے مگر بغیر وضو کے نہیں ہوسکتی اسی طرح درویشی بھی فرض سہی اور بڑھ کر سہی تحصیل علم سے مگر تحصیل علم اس کے لیے بمنزلہ وضو کے ہے تو جس طرح وہاں اہمیت باعتبار موقوف علیہ(۲) ہونے کے وضو میں ہے یہاں تحصیل علم میں ہے تو بہرحال جب دو کام دین کے جمع نہیں ہوسکتے تو ایک کام دنیا کا اور ایک دین کا کہاں جمع ہوسکتا ہے اس لیے ہمارے حضرات صاحب ہمت کے لیے افضل سمجھتے ہیں کہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے اس کا تعلق نہ ہو اسی کو فقہا نے سمجا ہے۔ لوگ کہتے ہیں فقہاء درویش نہیں تھے۔ ہاں اس معنی کر نہ تھے کہ رونا رلانا نہیں آتا۔ مگر رونا ہی عبادت نہیں ہر چیز عبادت ہے۔ ہنسنا، رونا سب بعض تو فقہاء کو یہاں تک کہتے ہیں کہ کوتوال تھے ہم نے مانا کہ کوتوال تھے مگر اس کی کیا دلیل کہ دوسرا وصف ان میں نہ تھا فقہاء

---

(۱) اس منع ہونے کا اقرار کرلیا (۲) وضو کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ نماز کا [illegible] ممکن نہیں۔ اسی طرح کامل درویشی بھی بغیر کمال علم کے مشکل ہے اور حصول علم اس لیے بمنزل وضو کے ہے

نے علماء کے واسطے یہ دستور العمل لکھا ہے کہ ہر جگہ کی دعوتیں مت کھاؤ۔

مدارس کے طلباء کو کھانے کی دعوت میں نہیں جانا چاہیے

میں نے مدرسہ کانپور میں یہ قانون مقرر کر دیا تھا کہ طلبا دعوت کھانے کہیں نہیں جائیں گے جس کو کھلانا ہو یہیں لا کر کھلایا جائے، لوگ کہتے ہیں بڑے متکبر ہیں اچھا صاحب متکبر ہی سہی کیا کیا جائے جب لوگ طلبہ کو ذلیل سمجھتے ہیں ہاں اگر کوئی اکرام کرے تو وہاں جانے میں کچھ حرج نہیں مگر اب تو کچھ پوچھو نہیں کہ لوگ کیسا سمجھتے ہیں۔ ایک طالب علم ایک تحصیل دار صاحب کے یہاں کھانا لینے جایا کرتے تھے کھانا ملنے میں دیر ہو جایا کرتی تھی یہ خالی بیٹھے رہا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے تحصیل دار صاحب سے کہا میں اتنی دیر خالی بیٹھا رہتا ہوں آپ کا لڑکا جو انگریزی پڑھتا ہے اس وقت تعطیل کے وقت بیکار پھرتا ہے میں اسے عربی بھی شروع کرادوں۔ وہ تحصیل دار کہنے لگے مولانا آپ نے عربی پڑھی تو میرے دروازہ پر مانگنے آتے ہیں یہ پڑھے گا تو آپ کے دروازہ پر مانگنے جایا کرے گا۔ اس پر اتنا تعجب نہیں جتنا ان طالب علم پر ہے کہ وہ پھر بھی کھانا لاتے رہے۔

بئس المطاعم حین الذل تکسبها　　　القدر منتصب والقدر مخفوض[1]

ہمارے بعض اہل علم عذر میں یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج　　　احتیاج است احتیاج است احتیاج[2]

---

(۱) بہت سے کھانے ذلت کے ساتھ کھائے جاتے ہیں حالانکہ مقدر کا لکھا ہوا متعین ہے لیکن پھر انسان اپنی قدر و منزلت کو پستی میں جھکا کرتا ہے (۲) وہ چیز کہ جس نے شیروں کو لومڑی مزاج بنا دیا ہے وہ حاجت مندی ہے، حاجت مندی ہے، حاجت مندی ہے

شاہزادے کی خودداری

مگر اس کا جواب میں وہی دوں گا جو شہزادۂ ایران نے دیا تھا۔ میرے بڑے ماموں صاحب ایک نواب کی حکایت بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ سرائے لکھنؤ میں ایک مسافر شہزادہ ایران نے ان کی دعوت کی۔

شریف گر متضعف شود خیال مبند
کہ پایگاہ رفیعش ضعیف خواہد شد

نواب صاحب نے دعوت کھائی مگر اس وقت شہزادہ کی کچھ خدمت نہ کر سکے اور یہ کہا کہ آپ ہماری ریاست میں تشریف لائیے یہ ایک بار وہاں آئے ٹٹو پر[1] سوار گھر پھٹے حال نواب صاحب کو اطلاع ہوئی غایت شوق[2] میں باہر آ گئے اور ان کی خستگی[3] کو دیکھ کر ہمدردی سے یہ بے جوڑ شعر پڑھ دیا۔

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج　　احتیاج است احتیاج است احتیاج

یہ سننا تھا کہ شہزادہ بھڑک[4] اٹھا اور فی البدیہ[5] یہ پڑھ دیا۔

شیر نر کے می شود روبہ مزاج　　می زند بر کفش خود صد احتیاج[6]

یہ پڑھ کر وہاں سے لوٹا پھر نواب صاحب نے ہزار ہاتھ جوڑے مگر وہ نہیں ٹھیرا۔ حضرت ہم بھی آپ کے عذر کا یہی جواب دیں گے ہاں اگر کہیں عزت ہوتی ہو اور اہانت نہ ہوتی ہو تو جاؤ کچھ حرج نہیں بلکہ وہاں نہ جانا تو ایک قسم کا تکبر ہے۔

---

(۱) ٹٹو پر سوار ہو کر پھٹے پرانے کپڑوں میں (۲) ملاقات کے بہت زیادہ شوق کی وجہ سے (۳) ان کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھ کر (۴) شہزادہ کو غصہ آ گیا (۵) فوراً یہ شعر پڑھا (۶) اصلی شیر کب لومڑی مزاج ہو سکتے ہیں وہ ایسی حاجت مندیوں کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں

علماء کو کیا طرز اختیار کرنا چاہیئے

بہر حال علماء کو حضرت بہلول[1] کا مذہب اختیار کرنا چاہیئے کہ ایک مرتبہ شہر میں شدت کی قحط سالی تھی کسی نے عرض کیا حضرت روٹی بہت مہنگی ہوگئی ہے فرمایا جائی یہ اس سے کہو جس کے ذمہ تقسیم ہے ہمیں کیا ہمیں تو برابر مل جاویگی جاؤ اپنا کام کرو۔

ایک اور بزرگ دنیا سے تائب ہونے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سخت قحط سالی ہوئی تمام لوگ فکر میں تھے میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ خوب موٹا تازہ ہے اور بے فکری سے گیند اچھالتا پھرتا ہے۔ میں نے کہا تمام مخلوق قحط سالی سے پریشان ہے، تمہیں بالکل فکر نہیں جو اس آزادی سے پھر رہے ہو اس نے کہا مجھے فکر کی کیا ضرورت میرا نفقہ[2] آقا کے ذمہ ہے اس کے دس گاؤں ہیں، اب مجھے کیا فکر۔ فرماتے ہیں وہ بزرگ، کہ اس کے جواب سے میرے قلب پر چوٹ[3] لگی کہ اس کا آقا صرف دس گاؤں کا مالک ہے۔ اس پر اسے اتنی بے فکری ہے۔ اور اے نفس تیرا مالک تو تمام سماوات وارض[4] کا مالک ہے پھر تجھے اس قدر فکر۔ بس میں نے فوراً توبہ کی۔

اس حکایت سے کوئی صاحب کہیں یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ بس ہم بھی بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں، نہ ہمیں نوکری کی ضرورت ہے نہ تجارت وزراعت کی کیونکہ یہ بزرگ صاحب حال تھے اگر تم پر حال طاری ہو تو بسم اللہ مبارک ہو سب کو چھوڑو، خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

---

(۱) بہلول دانا ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں (۲) کھانا وغیرہ مالک کے ذمہ ہے (۳) دل پر (۴) زمین و آسمان کا مالک

علماء کی نظر میں تنخواہ کی حقیقت

ہمارے حضرت[1] کی اتنی دقیق نظر[2] تھی کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ جیسے زبردست عالم ایک سوال کریں اور حضرت انہیں جواب مسکت[3] دیں۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کی اور مولانا محمد یعقوب صاحب کی ایک ریاست سے نوکری آئی، سو روپیہ تنخواہ، مولانا محمد یعقوب صاحب کی تھی اور مولانا محمد قاسم صاحب کی تین سو تھی، مولانا محمد قاسم صاحب جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں فلاں مطبع میں دس روپیہ کا ملازم ہوں ملاحظہ کیجیے کہ مولانا اور دس روپیہ قرآن کی تصحیح کا کام کرتے تھے ہرچند مالک مطبع نے اضافہ کرنا چاہا مگر یہی فرمایا کہ میں تصحیح کا کام کر سکتا ہوں۔ اس کے لیے یہی بہت ہیں تو تحریر فرماتے ہیں کہ میں دس روپیہ کا نوکر ہوں۔ مجھے اسی کے خرچ کرنے کی فکر رہتی ہے سو پانچ روپیہ تو اہل وعیال کو دیتا ہوں اور پانچ روپیہ طالب علموں کی ضروریات میں خرچ ہوجاتے ہیں۔ تین سو ملیں گے تو مجھ کو تو وہی پانچ روپے کافی ہوں گے بقیہ کے لیے ہر وقت میں اسی خلجان[4] میں رہا کہ کیونکر خرچ ہوں گے، اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ میں تین سو سے کم پر نہیں آسکتا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا حضرت آپ نے یہ کیا کیا، اگر وہاں سے منظوری ہوجاوے تو پھر کیا کیجیے گا آپ کے مقابلہ میں تو ایک لاکھ بھی تھوڑے ہیں تو اس کے آگے مولانا نے تحریر فرمایا کہ لیکن جب چاہوں گا گھر رہوں گا جب چاہوں گا نوکری پر جب خط وہاں پہنچا معلوم ہوگیا کہ یہ حضرات کہیں نہیں جائیں گے۔ تو بس حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی یہ دس روپیہ کی نوکری برائے نام نوکری تھی نام تو تھا نوکری کا

(۱) حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی (۲) گہری فکر تھی (۳) خاموش کردینے والا جواب (۴) پریشانی

مگر حقیقت میں کیا یہ نوکری تھی۔

کم ہمت کو ترک اسباب جائز نہیں

اس حالت میں حضرت حاجی صاحبؒ سے رائے لیتے ہیں نوکری چھوڑنے کی۔ حضرت فرماتے ہیں پوچھنا دلیل تردد[1] کی ہے، تردد دلیل خامی کی ہے خامی میں نوکری چھوڑنا مناسب نہیں جب قوت ہوگی رہے توڑا کے بھاگو گے بلکہ پوچھیں گے بھی نہیں۔ اللہ اکبر سارے ارسطو، افلاطون، بقراط، سقراط جمع ہو کر تو ایسا کلیہ[2] نکالدیں۔ تو ضعیف کے لیے یہی مسئلہ ہے کہ نوکری نہ چھوڑے۔

ایک صاحب میرے پاس آئے تھے اپنی زمینداری سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے میں نے منع کیا، بعد چند روز کے ان کی حالت سنبھلی تو احساس ہوا بڑے شکر گزار ہوئے۔

حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک بی بی نے اپنی جائداد وقف کرنے کی اجازت چاہی حضرت نے منع کیا، اگر کوئی کہے نیک کام سے منع کیا، تو صاحب نیک کام سے منع نہیں کیا بلکہ شر سے روکا۔

ترک اسباب کب کرے

ہاں کسی میں قوت ہو جاوے تو وہ مستثنیٰ ہے اگر کوئی کہے کہ ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ ہم میں اتنی قوت پیدا ہو گئی ہے کہ ہم ترک اسباب پر صبر کر سکتے ہیں

---

(۱) پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں ابھی یہ بات کھٹکتی ہے کہ اگر نوکری چھوڑ دی کیا کھائیں گے کہاں سے اور یہ تردد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی اللہ پر کامل بھروسہ کی کیفیت حاصل نہیں ہوئی اور ایسی حالت میں نوکری چھوڑنا درست نہیں (۲) اصولی قاعدہ

کیا وحی ہوگی تو بات یہ ہے کہ ایسے اسباب جمع ہوجاتے ہیں جن سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ ہم میں قوت پیدا ہو گئی ہے۔ اور اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو شیخ کامل سے پوچھے، اگر بزرگ سے ترک اسباب کی اجازت ہو جاوے تو اگر کمی بھی ہو تو شیخ کی برکت سے قوت بہت ہوجاتی ہے، بہر حال یہ تفصیل تھی ترک اسباب کی جس کا حاصل یہ تھا کہ اقویا ہیں ان کے لیے ہمارے حضرات ترک اسباب تجویز کرتے ہیں ایسا شخص حق تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے۔

اللہ کا مہمان

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت معاش کی کیا سبیل ہے، فرمایا حدیث میں آیا ہے کہ ضیافت تین دن ہے، ہم اللہ کے مہمان ہیں اور اللہ میاں کے یہاں کا ہر دن ایک ہزار برس کا ہوتا ہے تو ہم تین ہزار برس تک تو اللہ میاں کے مہمان ہیں۔ جب چوتھا ہزار شروع ہوگا تو معاش کی سبیل'' پوچھنا سو اتنی مدت تک وہ ہمیں جی نہیں رکھیں گے یہ نہ سمجھو کہ یہ شاعری ہے بلکہ ان کی یہ حالت ہوتی ہے اسی کو ایک لطافت سے ظاہر کر دیا بس اس پر استدلال کے متعلق حرج نہیں ہوسکتا، مثلاً اگر کوئی طالب علم شبہ کرنے لگے کہ ہزار برس کا ایک دن یہ آج کے لیے تھوڑی ہے یہ تو قیامت کے واسطے ہے۔ تو بات یہ ہے کہ یہ تو بزرگوں کے لطائف ہیں دلیل نہیں ہے، دلیل تو یہ ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب　　گر دلیلت باید ازوے رومتاب[2]

یعنی ان کی دلیل تو قوت قلب ہے وہ نظر آوے تو پھر کچھ بھی شبہ نہیں اور

---

(۱) معاش حاصل کرنے کا طریقہ (۲) سورج کا نکلنا ہی اس کی موجودگی کی دلیل ہے اگر اس کے وجود کی دلیل چاہتے ہو تو اس کی طرف اپنا چہرہ کرو خود معلوم ہو جائے گا

جیسے نظر نہیں آتی اسے اسی طرح سمجھاتے ہیں ان کا استدلال تو قوت قلب ہے جب یہ حالت پیدا ہوجائے تو ایسے لوگوں کو ترک اسباب جائز ہے۔ الحاصل دنیا کو دین پر قیاس نہیں کرسکتے۔ کیونکہ کسب دنیا تو بجز ضعفا کے اور کسی کے لیے ضروری نہیں تو بہر حال کوئی مادہ تو ایسا نکلا جہاں دنیا چند آں ضروری نہیں اگر اس میں کسی کو بے فکری ہو تو کچھ حرج نہیں اگر اس میں یہ حالت ہو کہ۔ ع

کسے را باکسے کارے نباشد[1]

تو کچھ مضائقہ نہیں۔

دین اور دنیا میں فکری تفاوت

لیکن دین میں تو کوئی مادہ ایسا نہیں نکل سکتا جس میں وہ ضروری نہ ہو۔ بلکہ دین ہر مادہ میں ہر وقت ضروری ہے۔ سو دنیا میں بے فکری ہونے سے بھی دین میں بے فکری کی اجازت نہیں ہوسکتی، لیکن خیر پھر بھی اگر کسی شخص کو دین میں بھی بے فکری ہو اور دنیا میں بھی کہ اگر اپنے بچہ کو کنویں میں گرتے دیکھے اور پھر بے فکری سے منہ پھیر لے اور گرنے دے تو ہمیں صبر آجاتا کہ ان کی آزادی طبعی ہے، شکایت بالکل تو رفع[2] نہ ہوتی کہ کہاں دین اور کہاں دنیا مگر ہاں قلیل[3] ہوجاتی اور اب تو بہت بڑی شکایت ہے کہ دین میں آزادی ہے اور دنیا میں نہیں ہے۔

یہ تفاوت کیوں ہے تفاوت کی بنا صرف یہی ہے کہ جس کو اپنے نزدیک ضروری سمجھا اس میں تو توجہ کی، اور جسے غیر ضروری سمجھا اس میں بے فکری اختیار کرلی۔ چنانچہ نفع دنیا کو جب ضروری سمجھتے ہیں تو اپنی اولاد کو صنعت و حرفت بڑھی

---

(۱) کسی کو کسی سے کوئی مطلب نہ ہو (۲) بالکل ختم تو نہ ہوتی (۳) کم

توجہ کے ساتھ سکھاتے ہیں، اسی طرح ضرر دنیا کو عظیم سمجھتے ہیں اس لیے اپنے بچے کو کنویں میں گرنے سے بچاتے ہیں، وہاں پر تو دیکھیے اپنی آزادی میں بھی خلل ڈالتے ہیں اور ان کی آزادی میں بھی خلل ڈالتے ہیں یہ کیا دنیا کے بارے میں تو ہمیں اتنی توجہ دین کے باب میں ہم کیوں اتنے آزاد ہیں کہ دوسرے کی اصلاح سے تو خبر ہی نہیں، اور اس تعرض سے میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ شاید کسی کو غلط فہمی ہو کر ساری دنیا سے لڑتا جھگڑتا پھرے میں اس کو صاف کیے دیتا ہوں کیونکہ مجمع عام اور خطاب عام میں ضرورت ہوتی ہے کہ مختلف پہلو صاف کر دیے جائیں خطاب خاص میں تو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی راز ہے صوفیہ کی خلوت کی تعلیم کا، لوگ سمجھتے ہیں وہ شریعت نہیں اس لیے خلوت میں تعلیم دیتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے بارے میں لوگوں کا گمان

حضرت علی کرم اللہ وجہ کی نسبت لوگوں کا یہ گمان تھا کہ ان کو جناب رسول اللہ ﷺ نے ایسی خاص باتیں تعلیم فرمائی ہیں جو اوروں کو نہیں بتائیں۔ حضرت علیؓ سے پوچھا کہ **هل خصكم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشئ من دون الناس** یعنی کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے ایسی باتیں بتائیں ہیں جو اوروں کو نہیں بتائیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

واللہ ماخصنا رسول اللہ بشئ الا فہما اوتیہ الرجل فی القرآن۔ بخدا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے ساتھ مجھے مخصوص کیا ہو ہاں مجھے ایسا فہم ضرور ملا ہے جس سے قرآن سمجھتا ہوں اور اس فہم سے کوئی نئی بات

نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایسے معنی سمجھ میں آتے ہیں جن پر عوام کا دسترس[1] نہیں ہے۔

قرآنی آیات کے ظاہری و باطنی معنی کی حقیقت

اور وہ معنی وہ نہیں ہیں جو صوفیہ بیان کرتے ہیں مثلاً **اذهب الى فرعون انه طغى** کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہے فرعون کی طرف جانے کا۔ تو وہ موسیٰ سے مراد روح لیتے ہیں اور فرعون سے مراد نفس لیتے ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ جا اے روح نفس کی طرف اور قرآن کے جو دو معنی ہیں ایک ظہر[2] اور بطن[3] سو صوفیہ جو ایسے معانی بیان کرتے ہیں نہ یہ ظہر قرآن ہیں نہ بطن قرآن، ظہر کیا ہے مدلول اولی قرآن کا کہ جسے عام لوگ سمجھتے ہیں مثلاً **للفقراء المهاجرين. الاية** فی کا ذکر ہے یعنی فی (مال غنیمت) مہاجرین کے لیے ہے اس کو سب سمجھ گئے اور باطن کیا ہے وہ وہ ہے جو مثلاً اسی آیت میں مجتہدین سمجھے اور ان کے سمجھنے کے بعد ہم بھی اب سمجھ گئے کہ واقعی یہی معنی ہیں۔

مثلاً ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ میں (رحمہم اللہ تعالیٰ) اس مسئلہ میں گفتگو ہوئی کہ اگر کفار قہراً مسلمانوں کے مال پر قابض ہو جائیں تو مالک بن جاتے ہیں یا نہیں سب ائمہ کی رائے تھی کہ مالک نہیں ہوتے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ مالک ہو جاتے ہیں اور دلیل اس کی یہی آیت ہے۔ **للفقراء المهاجرين** کیونکہ فقیر کی تعریف ہے **من لا يملك شيئا** جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور ظاہر ہے کہ

---

(۱) جہاں تک عام آدمی کی پہنچ نہیں (۲) آیت کے ایسے معنی جو الفاظ قرآن سے سرسری طور سے سمجھ میں آجاتے ہیں (۳) آیت کے ایسے معنی جو سرسری الفاظ میں غور سے سمجھ میں نہ آئیں بلکہ اس کے لیے دقت نظر کی ضرورت ہو

مہاجرین ہجرت سے پہلے مالدار تھے مگر ہجرت کے وقت وہ مال کفار مکہ مکرمہ کے قبضہ میں ہو گیا تھا۔ اگر کفار مکہ مکرمہ قبضہ سے ان کے مال کے مالک نہ ہو جاتے تو ان کو "فقراء" کیوں کہا جاتا اور مجاز خلاف اصل ہے[1]۔

دیکھیے اب ہماری سمجھ میں بھی آگیا اور امام صاحب کا یہ مسئلہ ہم لوگوں کے حق میں بڑی رحمت ہے اگر یہ مسئلہ نہ ہوتا تو آج ہمیں حلال روزی نہ ملتی اس واسطے کہ آج کل غیر مسلم سلطنتوں میں تحصیل اصول شریعت کے موافق کہاں ہوتی ہے۔ ہم جن کی نوکری کرتے ہیں وہ ہمیں تنخواہ دیتے ہیں اور ان کی تحصیل اصول شریعت کے موافق نہیں اس لیے اور ائمہ کے نزدیک وہ خود مالک نہیں ہوئے تو ان کے دینے سے ہم کب مالک ہو سکتے ہیں کیونکہ تملیک تو فرع ہے ملک[2] کی۔ مگر امام صاحب کے نزدیک وہ مالک ہو گئے اس لیے ان کے دینے سے ہم بھی مالک ہو جاتے ہیں۔

اسی واسطے اسلامی ریاستوں کی نوکری سے غیر اسلامی ریاستوں کی نوکری کو اچھا سمجھتا ہوں کیونکہ یہ شرعاً مالک ہو گئے اور وہ مالک نہیں ہوئے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ بات ہے بڑی عجیب کہ مسلم کی نوکری سے غیر مسلم کی نوکری اچھی ہے۔ ہاں جی عجیب ہی سہی تو یہ مصلحت ہے امام صاحب کے مذہب میں۔

امام صاحب کے مذہب میں نظام حکومت چلانا ممکن ہے انگریز مفکر کا اعتراف

ایک انگریز کا قول ہے کہ امام صاحب کے مذہب پر تو سلطنت چل سکتی

---

(۱) یعنی اگر یوں سمجھو کہ ان کو مجازاً فقیر کہا گیا تو یہ خلاف اصل ہے (۲) دوسرے کو تملیک اسی وقت بنا سکتا ہے جب خود مالک ہو

ہے اور دیگر ائمہ کے مذہب میں یہ بات نہیں، چونکہ یہ لوگ اہل تمدن و سیاست ہیں اس لیے اسباب میں ان کی شہادت معتبر ہے تو یہ ہے بطن قرآن اور یہ ہر شخص کے آئمہ کے موافق متفاوت ہوتا ہے، مثلاً امام صاحب کے مرتبہ سے جن کا مرتبہ بڑا ہے وہ اس سے آگے کے بطن[1] تک پہنچتے ہیں مثلاً انبیاء علیہم السلام اسی کو کہتے ہیں۔

حرف حرفش راست در بر معنی معنے در معنے[2]

صوفیاء کی تعلیم کی حقیقت

غرض صوفیہ جو خلوت میں تعلیم دیتے ہیں، وہ تعلیم شرعی ہی ہوتی ہے مگر عوام میں بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتی اب لوگ نہ معلوم کیا سمجھتے ہیں اسی واسطے ایک غیر مسلم نے آج کل سلطنت کو رائے دی ہے کہ صوفیوں کی خلوت[3] کی تعلیم قابل نگرانی ہے، کیونکہ مولوی تو جو کچھ کہتے ہیں ممبر پر بیٹھ کر کہتے ہیں جو سب پر آشکارا[4] ہوجاتا ہے اور یہ لوگ چپکے سے کہتے ہیں تو ان سے بڑا اندیشہ ہے کہ خدا جانے کیا سکھادیں۔ استغفر اللہ وہ کیوں ایسا کرنے لگے۔ اگر یہ کہو کہ ایسا نہیں تو الگ کیوں تعلیم کرتے ہیں۔ الگ اس لیے تعلیم کرتے ہیں کہ ایک شخص کی طبیعت کے موافق وہ ایک ہی پہلو پر گفتگو کرتے ہیں اگر مجمع عام میں بیان کریں تو ایک ہی بات سے ہر شخص اپنی اپنی طبیعت کے موافق ایک ایک پہلو نکالے گا اس لیے ان کو اس کی ضرورت ہوگی کہ تمام پہلو خود ہی بیان کرکے ان پر منطبق کرے تو اس کے لیے بڑا وقت چاہیے۔

---

(۱) وہ اس سے بھی دقیق معنی تک پہنچ جاتے ہیں (۲) قرآن پاک کے ہر حرف میں بہت سے معنی ہیں معنی کے اندر معنی، معنی کے اندر معنی (۳) تنہائی (۴) واضح ہوجاتا ہے

دوسروں کو تبلیغ کرنے کا ادب

چنانچہ میں اس وقت اس پہلو کو بیان کر رہا تھا کہ دنیا کی فکر تو ہے دین کی فکر کیوں نہیں۔ اس پر یہ بیان کرنا چاہتا تھا اگر دین کی فکر ہو تو اس طرح نہ ہو جیسے ہمارے بعض احباب ہوا سے لڑتے پھرتے ہیں کہ ہم بزرگ ہیں تو ساری دنیا بھی بزرگ بن جائے اگر کسی نے تمہیں نسخہ بخار کا لکھ دیا ہے تو تم خود پیو ساری دنیا کو کیوں پلاتے پھرتے ہو، دین کی فکر کرتے ہیں تو ایسی کرتے ہیں۔ بندر کے ہاتھ ادرک کی گرہ لگ گئی تو وہ بھی پنساری بن بیٹھا[1]۔ دو چار مسئلے اصلاح الرسوم[2] سے لے لیے اور ساری دنیا سے لڑنے لگے جو کچھ تم کہتے ہو اگر وہ صحیح بھی ہے تو اس کے آداب کی بھی تو ضرورت ہے۔ **ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة**۔ دین کی طرف بلاؤ مگر حکمت سے بلاؤ۔ اصلاح کے لیے بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے یہ اصلاح کا طریقہ نہیں ہے جس طرح ہمارے یہاں ایک صاحب تشریف لائے تھے۔ عصر کی نماز پڑھی بعد نماز کے دعا مانگنے سے پہلے ہمارے یہاں ایک اہل علم مہمان تھے وہ تنگی کی وجہ سے صف سے ذرا پیچھے کھسک کر بیٹھ گئے یہ ہمارے مصلح صاحب کیا سمجھے کہ شاید انہوں نے نماز بھی اسی طرح پڑھی ہوگی بس جھٹ پکار کر کہنے لگے صف ٹیڑھی کرنا جائز نہیں، میں نے کہا تمیز بھی[3] ہے؟ اول تو تمہیں تحقیق کرنا چاہیے تھا کہ نماز بھی اسی طرح پڑھی ہے یا نہیں۔ دوسرے اگر محقق[4] بھی ہو جاتا تو بھی نرمی سے کہنا چاہیے تھا۔ تیسرے یہ

---

(۱) اردو محاورہ ہے، اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو تھوڑی سی معلومات پر عالم ہونے کا مدعی ہو (۲) حضرت تھانوی کی کتاب کا نام ہے (۳) بلا تحقیق کسی پر اعتراض کرنا بد تمیزی ہے (۴) اگر ثابت بھی ہو جاتا

کہ تم ایک عامی آدمی تمہیں تو بعد تحقیق کے بھی کسی اہل علم کو کہنے کا منصب [1] نہیں ہے، چہ جائیکہ تم اتنی سختی سے کہتے ہو۔ اسی طرح علماء کو عوام پر بھی سختی نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں کہیں خاص قدرت ہو تو مضائقہ نہیں مگر بلاضرورت وہاں بھی سختی نہ کرنا چاہیئے۔ واقعی مصلحین ہیں انہوں نے اتنی رعایت کی ہے کہ کیا ٹھکانہ ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بھائی کا انداز تبلیغ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھائی نے ایک شخص کو مسجد میں ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہنے دیکھا اس وقت تو اور کچھ نہیں فرمایا، صرف یہ فرمایا کہ بعد نماز کے ذرا ٹھہر جائیگا مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے وہ ٹھہر گئے، سب چلے گئے تو فرمایا مجھ میں ایک عیب ہے اس کے متعلق میں آپ سے مشورہ لیتا ہوں، یہ مجھے خیال ہوتا ہے کہ میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک جاتا ہے اور اس پر یہ وعیدیں [2] ہیں سو تم ذرا دیکھنا کہ آیا واقعی لٹک جاتا ہے یا محض میرا وہم ہے انہیں فوراً تنبہ [3] ہوا اور کہا کہ حضرت آپ میں تو یہ عیب نہیں مگر ہاں مجھ میں ہے اب میں توبہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ کبھی ٹخنوں سے نیچا پاجامہ نہ پہنوں گا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس رعایت کا، اسی کو شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا — دل دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ با دوستانت خلاف است و جنگ [4]

---

(۱) عام آدمی کو علماء پر اعتراض کا حق نہیں یہ مرض آج کل عام ہے کہ بلا تحقیق اعتراض کرنا (۲) حدیث میں سزائیں بیان کی ہیں (۳) احساس ہوا (۴) میں نے یہ بات سنی ہے کہ خدا کے نیک بندے دشمنوں کے دل بھی نہیں دکھاتے۔ تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہو سکتا ہے جبکہ تو دوستوں سے اختلاف اور جنگ کرتا رہتا ہے

اپنے علم پر ناز نہ کرے

خدا جانے ہمیں تقدس پر کیوں ناز ہے ہماری تو حقیقت کیا ہے، خود جناب رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک "کہ اگر ہم چاہیں تو سارا علم سلب نہ کرلیں ہمیں اپنے تھوڑے سے علم اور تھوڑے سے تقدس پر اس قدر ناز، ہمیں کاہے کا ناز ہے جہاں ذرا تسبیح ہلائی اور بزرگ ہوگئے۔ اب ساری دنیا سے جھگڑتے پھرتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

غافل مرو کہ مرکب میدان مردرا در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش

ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند[1]

آپ کو کیا خبر ہے کہ آپ کا سارا تقدس دھرا رہ جائے اور جن سے آپ جھگڑتے پھرتے ہیں ان کی آناً فاناً منزل تک رسائی ہوجائے۔

ایک گناہگار کی توبہ اور وصول

مارہرو[2] کے ایک دوست بیان کرتے تھے۔ ایک شخص تمام عیوب میں مبتلا تھا مگر یہ ہنر[3] بھی تھا کہ خدائے تعالیٰ سے پوری محبت تھی چنانچہ جب کوئی اسے کچھ کہتا تو وہ یہ کہتا کہ تم کون، ہم جانیں اور ہمارا خدا۔

---

(۱) غافل نہ ہو کہ اس میدان کے سوار کو پتھریلے علاقوں میں پیادہ سفر کرنا پڑتا ہے نا امید بھی نہ ہو کہ بادہ نوش اندر کی کبھی ایک زخم لگنے سے منزل مقصود کو پالیتا ہے (۲) بستی کا نام ہے (۳) خوبی بھی تھی

ایک دفعہ بیٹھے بیٹھے اسے یہ خیال آیا کہ میں اس قدر گناہوں میں مبتلا ہوں میرا کیا حال ہوگا۔ یہ خیال آنا تھا کہ رونے لگا حتیٰ کہ روتے روتے ہچکی بند گھگی اور کھانا پینا سب بند ہوگیا تین چار دن اس کی یہی کیفیت رہی اس کے بعد انتقال ہوگیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ گنہگار شہید بلکہ شہید اکبر مردانہ خدائی تلوار سے مارا گیا۔

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک بھنگی کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں ہے۔ پوچھا تم یہاں کہاں، کہا مرتے وقت کلمہ پڑھ لیا تھا۔ اب کیا کسی کو حقیر سمجھتے ہو۔ اگر خدا چاہے ذرا سی دیر میں ناپاکی کو دھو کے طاہر بلکہ مطہر بنادے۔ خواہ کتنا ہی بڑا کافر ہو۔

یزید پر لعنت کون کرے

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید کو لعنت کرنا کیسا ہے میں نے کہا اس شخص کو جائز ہے جسے یہ یقین ہو کہ ہم یزید سے اچھی حالت میں مریں گے بس چپ ہی تو رہ گئے۔

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما گہ خندہ زند دیو زناپاکی ما
ایمان چو سلامت بلب گور بریم تحقیق شود پاکی وناپاکی ما[1]

ابھی کیا خبر کہ مرتے وقت ہم کس حال میں ہوں گے ابھی تو کشتی منجدھار[2] میں ہے اللہ جانتا ہے یہ فکر وہ فکر ہے کہ اس کے بعد نہ کسی کی تکفیر[3]

(۱) کبھی تو فرشتہ بھی میری پاکی وتقدس پر رشک کرتا ہے۔ اور کبھی دیو بھی وغیرہ بھی میری ناپاکی پر ہنستے ہیں۔ اگر میرا ایمان قبر میں رکھے جانے تک سلامت رہے تب میری پاکی ناپاکی کا پتہ چلے
(۲) بھنور (۳) کسی کو کافر کہنے کی فکر

کی فکر ہوتی ہے نہ تفسیق[1] کی۔ میں اصلاح کو منع نہیں کرتا۔ مگر ہاں حقیر نہ سمجھو کیونکہ یہ تو تکبر ہے۔ خدا جانے انجام کیا ہو۔ چنانچہ ابھی سن چکے ہو کہ اس شخص میں کتنے عیوب تھے، مگر بلا کسی واعظ بلا کسی شیخ کے منزل تک پہنچ گیا۔

اپنی عبادت پر ناز اور تکبر کا نقصان

اسی طرح شیطان کو دیکھو کہ خدا کی قدرت ہے آٹھ لاکھ برس تک عبادت کرتا رہا مگر ایک بات سے انکار کر کے مردود و مطرود[2] ہو گیا۔ میں نے اس مقام پر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ وہاں تو ذرا میں پکڑے۔ ذرا میں نواز دے، میں کہتا ہوں یہ اللہ میاں پر تہمت[3] ہے کہ ذرا میں پکڑ لیتے ہیں اس سے توبہ کرو، وہاں تو **سبقت رحمتی علی غضبی**[4] ہے ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ ذرا میں نواز[5] دیتے ہیں باقی یہ نہیں ہوتا کہ ذرا میں پکڑ لیں۔ یہ شاہ اودھ[6] نہیں ہیں کہ اندھیر نگری چوپٹ راج ہو کہ ذرا کسی سے ناخوشی ہوئی اب پھانسی سے ادھر اسے مفر[7] نہیں۔

شیطان جو راندہ[8] گیا تو کوئی تھوڑی بات نہ تھی جس پر راندہ گیا۔ حکم ہوا سجدہ کرو تو کہتا ہے نہیں کرتے۔ اگر آپ کا کوئی نوکر اس طرح جمود[9] کرے تو بتائیے آپ کو کس قدر طیش ہوگا اور وہ نالائق تو حجت بھی کرتا ہے کہ **خلقتنی من نار وخلقته من طین**۔ کہ میں آدم کو سجدہ کیسے کروں مجھے نار سے پیدا کیا ہے اور انہیں خاک سے۔ تو اس کی رائے میں یوں ہونا چاہیئے تھا کہ

---

(۱) نالائق سمجھنے کی فکر (۲) رد کیا ہوا مردود و سرکش (۳) الزام (۴) میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے (۵) تھوڑی سی خوبی پر بخش دیتے ہیں (۶) اودھ کے بادشاہ کی حکومت نہیں ہے (۷) ذرا کسی سے غلطی ہوئی تو وہ پھانسی سے نہیں بچ سکتا (۸) جو نکالا گیا (۹) انکار کرنے

آدم اسے سجدہ کرتے۔ حجت(۱) کے ساتھ انکار کرتا ہے گویا خدا کے امر کو بے وقوفی سمجھتا ہے۔ پھر یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حکیم مطلق ایک امر کرے اور یہ اس کا بھی حماقت سمجھ کر اس کے امتثال(۲) سے انکار کرے تو دیکھو اتنی عبادت بھی کی پھر بھی ہونے والی بات ہوئی تو اے نفس کیا ناز کرتا ہے اپنی عبادت پر خاقانی کہتے ہیں۔

ابلیس گفت طاعت من بیکرانہ بود　　سیمرغ وصل را دل وجان آشیانہ بود

آدم زخاک بود و من از نور پاک او　　گفتم منم یگانہ و او خود یگانہ بود

در لوح بد نوشتہ کہ ملعون شود یکے　　بردم گمان بہر کس و بر خود گمان نبود

شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھا تھا کہ آدم مخلوق ہوں گے پھر ان کو سجدہ کا حکم ہوگا اور ایک شخص سجدہ سے انکار کرکے ملعون ہوگا تو مجھے ہر شخص پر شبہ تھا کہ شاید یہ ملعون ہو مگر خود اپنے اوپر شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ اپنی عبادت کی وجہ سے اپنے ساتھ حسن ظن بہت بڑھا ہوا تھا اور بڑا ناز تھا۔

حضرت عمرؓ کی حالت خوف ورجاء

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حکم ہوجائے کہ سوائے ایک شخص کے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا تو میرا گمان نہ فرعون پر ہو نہ ہامان پر نہ قارون پر نہ نمرود پر بلکہ مجھے یہی خوف ہوگا کہ کہیں وہ ایک میں ہی نہ ہوں اسی طرح اگر یہ حکم ہوجائے کہ سوائے ایک کے کوئی جنت میں نہ جائیگا تو مجھے یہ احتمال ہوگا کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں۔

او خواست تا فسانہ لعنت کند مرا　　ورنہ چہ خواست آدم خاکی بہانہ بود

(۱) دلیل (۲) حکم کی بجا آوری

گو بند جاہلاں کہ نہ کردی تو سجدہ نزدیک اہل معرفت ایں چو بہانہ بود

جہلاء کہتے ہیں کہ تو نے سجدہ نہ کیا مگر اہل ہوش جانتے ہیں کہ جنت القلم ہو کا تن-

تکبر، ایک عام بیماری

یہ بڑا قطعہ ہے مجھے سب تو یاد نہیں رہا مقطع کہتے ہیں-

خاقانیا تو تکیہ بہ طاعت خود مکن کیں بند ہر دانش اہل زمانہ بود

تو اپنے ظاہری تقدس پر نظر کر کے کبھی کسی کو حقیر نہ سمجھو تمہیں کیا خبر ہے کہ

ع-- تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

امراض باطنی بہت دقیق ہیں یہاں تک کہ مرض کبر میں جو اخبث الامراض ہے[1] علماء تک مبتلا پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے کو کم از کم یہی سمجھتے ہیں کہ ہم میں یہ مرض نہیں بس یہی مرض ہے-

علت ابلیس انا خیر بداست ایں مرض در نفس ہر مخلوق ہست[2]

یہ مرض تو ہر مخلوق میں ہے کہ مریض ہیں مگر یہ مدعی بھی نہیں سمجھتے کہ ہم مریض ہیں اگر کوئی مریض ہو اور وہ یوں سمجھے کہ میں مریض ہوں تو وہ متواضع[3] ہے مگر افسوس ہے ان پر جو مریض ہیں اور انہیں اپنے مرض کی خبر نہیں یہ شخص متکبر ہے ایسا شخص بہت اچھا جسے اپنے مرض کی خبر ہو، اگرچہ وہ علاج نہ کرائے- کیونکہ خدا کا دربار عجیب رحمت کا دربار ہے علم مرض بھی خدا کے یہاں علاج کا کام دیتا ہے یہ بھی بڑی چیز ہے- اگر کوئی متواضع ہو کر اپنے کو متواضع سمجھے تو وہ متکبر ہے- اور اگر متکبر اپنے کو متکبر سمجھے تو متواضع ہے-

---

(۱) تکبر کا مرض جو سب امراض سے بڑھ کر ہے (۲) شیطان کا راندہ درگاہ ہونے کا سبب اپنے کو سب سے اچھا سمجھنا تھا اور یہ مرض مخلوقات میں سے ہر نفس میں ہے (۳) عاجزی اختیار کرنے والا

تبلیغ دین میں موقع محل کی رعایت

تو بہرحال امر بالمعروف کرو مگر کسی کو کبر کی راہ سے نہ کرو، اس سے اور فتنہ وفساد ہوتا ہے بلکہ اگر از راہ کبر نہ بھی ہو تب بھی جہاں فتنہ فساد کا اندیشہ ہو وہاں کچھ مت کہو۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے وعظ کہنا چھوڑ دیا تھا، بعض پیر زادوں نے اعتراض کیا، ایک پیر زادہ نے کہا، وعظ کہنا نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہیں کافر ہونے سے بچا دیا کیونکہ وہ وعظ کہتے تو تم اسے روکتے اور وعظ میں شرعی احکام ہوتے ہیں تو تم شریعت کا رد کرتے اور رد شریعت کفر ہے[1]۔ واقعی موقع و مصلحت کا سمجھنا یہ کام ہے حکیم کا، اگر اس موقع پر حضرت وعظ فرماتے تو بجائے اصلاح کے ان کا ایمان بھی جاتا رہتا۔

تو خوب سمجھ لو اگر ایسے موقع پر منع کیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اور زیادہ کریں گے یا استخفاف[2] کریں گے، اگر استخفاف کریں گے تو کافر ہو جائیں گے اور ان کے کفر کا سبب یہ واعظ ہوگا۔ ایسے امر[3] کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو گالیاں مت دو، صحابہ نے نہایت استعجاب[4] سے پوچھا کہ حضور ﷺ اپنے ماں باپ کو کون گالیاں دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کسی کے ماں باپ کو گالیاں دے وہ اس کے ماں باپ کو گالیاں دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسبب بھی مباشر[5] کے حکم میں ہے، تو جب تم سبب ہوئے ان کے کفر کے تو تم نے تعلیم دی کفر کی۔

(۱) شریعت کا انکار کفر ہے (۲) اہانت کریں گے (۳) ایسے کام کے بارے میں (۴) انتہائی تعجب سے پوچھا (۵) کسی کام کے کرنے کا سبب بننے والا بھی اس کام کے کرنے والے کے حکم میں ہے

میں ایک دفعہ کہہ کے بہت پچھتایا، ایک بانکے صاحب خلاف وضع بنانے ہوئے ریل میں بیٹھے تھے میں نے کہا کہ شریعت کے خلاف ہے تو اس نے کہا کہ شریعت کی بیوی کی توں (ماں کی گالی دی) میں بہت پچھتایا کہ اتنا فحش آدمی ہے میں نے اس سے کیوں کہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شریعت کی گستاخی ان ناصحین(۱) کی بدولت ہوئی۔ یہ خواہ مخواہ انہیں چھیڑتے ہیں اور خود بھی بڑے بنتے ہیں شریعت کو برا کہلواتے ہیں۔

ایک اہم نصیحت

میں بیعت کے وقت اس سے بھی منع کر دیتا ہوں کہ بجائی کسی سے لڑنا جھگڑنا نہیں میں نے دیکھا ہے کہ جو کم عقل لوگ لڑتے پھرتے ہیں وہ اپنے بزرگوں کو گالیاں کھلواتے ہیں کیونکہ دو ہی حالتیں ہیں یا تو وہ اپنے بزرگوں کی تعریف کرے گا تو یہ بھی مجھے پسند نہیں یہ استخواں فروشی(۲) ہے کہ خواہ مخواہ اپنے بزرگوں کی تعریف کراتے پھریں جسے غرض ہوگی وہ خود آکے دیکھ لے گا تمہیں کیا ضرورت ترغیب دینے کی دوسری حالت یہ کہ یا وہ گالیاں دے گا۔ لوگ کیا کرتے ہیں کہ ایک مسئلہ کسی کے سامنے بیان کیا اس نے ابھی تک تو انہیں کو برا بھلا کہا تھا اس کے بعد انہوں نے یہ کہہ دیا کہ فلاں بزرگ فرماتے تھے۔ بس اب ان بزرگ پر گالیاں پڑنا شروع ہو گئیں۔ بھلا اس کی کیا ضرورت کہ ایک مخالف کے سامنے اپنے شیخ کا ذکر کرنا اور گالیاں کھلوانا، اول تو آپ کو جوش ہی کیوں آیا اگر آیا تھا تو اپنی ہی طرف منسوب رہنے دیا ہوتا، یہ بالکل نادانی(۳) ہے کہ جوش آپ کو ہو اور نام لیں شیخ کا تاکہ تبرا(۴) جو کچھ ہو وہ انہیں پر ہو۔ غرض یہ کہ یہ سب ایک ہی اصل

---

(۱) نصیحت کرنے والوں (۲) روٹیاں بیچنا ہے (۳) بے وقوفی ہے (۴) گالیاں جو پڑیں وہ انہیں پڑیں

کے شعبے ہیں اس طرح اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اور عناد[1] بڑھتا ہے اور مادہ فاسدہ[2] میں ترقی ہوتی ہے۔ میرا ایک وعظ ہے "تصدی للغیر" اس میں اس کی تفصیل ہے اس لیے یہاں مختصر بیان کر دیا۔

ایک غلطی کا ازالہ

مگر اس سے یہ نہ سمجھیں کہ میں اصلاح سے منع کرتا ہوں، جو اصلاح کو ضروری نہیں سمجھتے اور استدلال میں یہ شعر پڑھ دیتے ہیں۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص وعام
بامسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام[3]

یہ حافظ شیرازی کا شعر نہیں یہ تو کوئی ہندوستان کے اصطلاحی حافظ جی معلوم ہوتے ہیں جنہیں یہ نہ سوجھا[4] کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ ذریعہ قرب نہیں اگر یہ صحیح مذاق ہوتا تو پھر کسی کو کافر کسی کو مومن کہتے، کسی کو اولیاء اللہ اور عدو اللہ سے کیوں تعبیر فرماتے قرب تو رضائے محبوب سے ہوتا ہے محبوب کے دشمن سے صلح کرنے میں محبوب کی رضا ہرگز نہیں ہو سکتی تو پھر قرب بھی نہیں ہو سکتا۔

صلح کل ملحدین کا مذہب ہے

اللہ میاں کا طریقہ صلح کل کا نہیں صلح کل کا طریقہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو عمالقہ سے مقاتلہ[5] کرنے کا کیوں حکم ہوتا۔ خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطاب

---

(۱) دشمنی بڑھتی ہے (۲) خراب مادہ میں ترقی ہوتی ہے (۳) اے حافظ اگر وصول چاہتے ہو تو ہر خاص وعام سے صلح کرو مسلمان کے ساتھ ہو تو اللہ اللہ کہو اور ہندو کے ساتھ ہو تو رام رام کہو (۴) جنہیں یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ یہ غلطی ہے (۵) جہاد

کیوں ہوتا ہے۔ وجاهد الکفار "(۱) اور یہ ارشاد کیوں ہوتا وانذر عشیرتک الاقربین "(۲)۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ایک پہاڑ پر چلے گئے اور وہاں جا کر پکارا یا صباحاه یا صباحاه اس کلمہ کے معنی تو یہ ہیں اے صبح کے وقت کی لوٹ، اے صبح کے وقت کی لوٹ اور ماخذ(۳) اس کا یہ ہے کہ عرب میں رات کو لوٹ مار کم ہوتی تھی صبح کے وقت لوٹتے تھے کہ وہ لوگوں کے سونے اور سناٹے کا وقت ہے تو جب کبھی کوئی لوٹا جاتا تھا یا اور کوئی امر عظیم پیش آتا تو یا صباحاه صباحاه پکارتا تھا خواہ صبح کا وقت نہ بھی ہو یہ آواز سن کر ساری قوم اس کی امداد کے لیے جمع ہو جاتی تھی چنانچہ اس محاورہ کے موافق حضور ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر یا صباحاہ یا صباحاہ پکارا، تھوڑی سی دیر میں ساری قوم جمع ہو گئی آپ نے فرمایا مجھے جانتے ہو میں کون ہوں انہوں نے کہا ہاں آپ محمد ﷺ امین ہیں آپ نے فرمایا اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو عنقریب آ کر تمہیں ہلاک کر دے گا تو تم کیا سمجھو گے، انہوں نے کہا ماجوبنا الا علیک صدقا ہم نے آپ کو جہاں تک آزمایا سچا ہی پایا لہذا ہم اسے بھی سچ سمجھیں گے، آپ نے فرمایا بس میں تم کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں کہ وہ عنقریب آنے والا ہے اگر تم اس سے بچنا چاہتے ہو تو صدق دل سے کہو لا الہ الا اللہ۔ بس یہ سن کر جل بھن گئے۔ ابولہب آپ کا چچا تھا جلا کر کہنے لگا "تبالک سائر الیوم الھذا جمعتنا"۔ خدا تمہیں برباد کرے کیا یہی بات تھی جس کے لیے ہمیں جمع کیا تھا۔

حق تعالیٰ کو اس کا یہ کلمہ اپنے رسول ﷺ کی شان میں برا معلوم ہوا اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔ تبت یدا ابی لھب وتب ابولہب ہی برباد

(۱) کفار سے جہاد کیجیے (۲) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے (۳) اصل وجہ

ہو جائے بلکہ برباد ہو گیا۔ ما اغنی عنہ مالہ وما کسب۔ اور اس بربادی سے نہ اسے اس کا مال بچا سکتا ہے نہ اس کی کمائی۔ وامرأتہ حمالۃ الحطب اس کی بیوی لکڑیاں چننے والی ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ اس سے اس کا اظہار بخل مقصود ہے کہ باوجود مال و دولت کے پھر بھی اتنی کنجوس ہے کہ لکڑیاں خود چن کر لاتی ہے۔ عرب میں بخل کو زنا سے بھی زیادہ قبیح سمجھتے تھے۔

بعضوں نے کہا کہ یہ جنگل سے لکڑیاں خار دار چن کر لاتی تھی اور حضور ﷺ کے راستہ میں بچھا دیتی تھی تاکہ آتے جاتے آپ کو تکلیف ہو۔ ایک مرتبہ ایک پتھر لائی حضور ﷺ کے مارنے کو مگر آپ اسے نظر نہ آئے۔ اگر حضور ﷺ اس وقت صلح کل سے کام لیتے تو تمام عرب مسخر ہو جاتا تو معلوم ہو گیا کہ صلح کل مذہب ملحدوں کا ہے اس لیے میں اس سے بھی منع کرتا ہوں۔

اصلاح عام کا منصب کس کو لائق ہے

لہٰذا اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی بھی اصلاح کرنا ضروری ہے مگر یہ دیکھ کر اصلاح کرنا علاج کرنا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اصلاح روحانی علاج ہے اور یہ جسمانی مگر نفس علاج ہونے میں دونوں برابر ہیں اور یہ معلوم ہے کہ علاج بغیر مطب کے کوئی نہیں کر سکتا پس جس طرح علاج جسمانی کے لیے مطب کی ضرورت ہے اسی طرح یہاں بھی کسی طبیب روحانی سے پہلے مطب کرو[1] اس کے بعد پھر علاج کے درپے ہو، دو چار کی اصلاح کے لیے کچھ نہیں مگر اصلاح عام کے لیے اڑنا ایک ایک سے لڑنا جھگڑنا بگڑنا ٹھیک نہیں اس کے لیے پہلے مرض کی پہچان علاج کا طریقہ طبیب کامل

(۱) یعنی کسی شیخ روحانی سے اپنی اصلاح کرا کر اس قابل ہو جاؤ کہ وہ تمہیں دوسرے کی اصلاح کی اجازت دیدے

سے سیکھ لو اس کے بعد اصلاح کرو تو ایک تو اس میں کوتاہی ہے کہ ایک کو دوسرے کی اصلاح کی فکر نہیں، دوسرے اگر فکر کرتے بھی ہیں تو طریقہ نہیں معلوم۔

اصلاح کے دو طریقے

اس حدیث میں دونوں باتیں مذکور ہیں ترغیب ترہیب بھی ہے اور طریقہ تربیت بھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں یسرا ولا تعسرا آسانی کرنا دشواری مت کرنا وبشرا ولا تنفرا خوشی کی باتیں کرنا نفرت مت دلانا۔ وتطاوعا ولا تختلفا ایک دوسرے کا کہا ماننا اختلاف مت کرنا۔ یہ ترجمہ ہوا حدیث کا اس میں پہلے دو امر تو عام لوگوں کی اصلاح کے متعلق تھے۔ یہ تیسرا حکم اس میں باہمی تعلقات کا ادب بتلا دیا یعنی باہم اتفاق سے رہنا۔ ترجمہ سے حاصل تو سمجھ میں آگیا ہوگا اب اس کی تحقیق سنئے۔ اول فرماتے ہیں۔ یسرا ولا تعسرا دوسرا حکم فرماتے ہیں بشرا ولا تنفرا ان دو دو حکموں کی کیا ضرورت تھی۔ صرف امر اول ہی پر اکتفا کیوں نہ کی بس یوں فرمادیتے کہ یسرا آسانی کرنا بس کافی تھا۔ اور دوسرے میں یوں فرمادیتے کہ بشرا، تو یسّرا ولا تعسّرا سے کیا بات نکلی منقول تو دیکھا نہیں مگر لغت و آثار تتبع کرنے[1] سے اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ اصلاح کے دو طریقے ہیں ایک فعل ایک قول۔ مثلاً فعل تو یہ کہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر مصلی پر کھڑا کردیا کہ نماز پڑھو، قول یہ کہ زبان سے کہا کہ نماز پڑھا کرو۔ یا یوں مثلاً کسی بچہ سے کہا کہ فلاں کھیل مت کھیلو، ایک یہ کہ اس کھیل کو توڑ پھوڑ ڈالا، تو اصلاح کبھی فعل سے ہوتی ہے۔ کبھی قول سے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں طریقوں کو الگ الگ

---

(۱) لغت اور احادیث میں غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے

کر کے بتلایا ہے کہ اگر کرے بتلاؤ تو آسان بتاؤ، ایسا نہ ہو دشواری میں پڑجائے۔ مثلاً یوں کہنا کہ ایک گھنٹہ میں سانس لیا کرو رطوبت تحلیل ہوگی اس طرح دشواری میں ڈالنا مناسب نہیں۔ اس کی بہت تفصیل ہے۔

اصلاح کا آسان طریقہ

ایک شخص میں دس عیب ہیں وہ دفعۃً سب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تو منع تو کرے سب کو یہ تو نہ کرے کہ منع نہ کرے ہاں سب کے چھوڑنے پر مجبور نہ کرے ایک شخص نے رسوم شادی کے متعلق مجھ سے کہا کہ ایک دم سے نہ منع کیا کرو ایک ایک کو منع کرو۔ میں نے کہا سلام ہے جب میں ایک کو منع کروں گا ایک کو نہ منع کروں گا تو مجھ سے بدگمان ہوں گے کہ رسوم ہونے میں تو دونوں برابر ہیں پھر ایک کو کیوں منع کیا اور ایک کو کیوں نہ منع کیا، پھر بار بار منع کرنے سے قلب میں تنگی پیدا ہوگی کہ یہ تو روز ایک بات کو منع ہی کرتے رہتے ہیں خدا جانے کہاں تک قید کریں گے، اس لیے منع تو سب کو کروں گا مگر مجبور نہیں کرتا کہ سب کو ایک دم سے چھوڑ دو تم چھوڑنے میں ایک ایک کرکے چھوڑو۔

تو بہر حال اگر کسی میں عیوب بہت سے ہوں تو بتا تو دے سب کو مگر پہلے ایک کو چھوڑا دے، پھر دوسرے کو چھوڑا دے، پھر تیسرے کو چھوڑا دے، صوفیہ اس راز کو خوب سمجھتے ہیں۔ خشک علماء چاہتے ہیں آج ہی سب عیوب چھوٹ جائیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ خشک علماء میں ضابطہ ہوتا ہے شفقت نہیں ہوتی اور صوفیہ میں شفقت ہوتی ہے اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم ست

زانکہ لطف شیخ وزاہد گاہ ہست وگاہ نیست

بزرگوں کی عوام پر شفقت

شیخ کامل کی حالت یہ ہے کہ اگر ناخوش بھی ہوتے ہیں تو ظاہر میں برہم ہوتے ہیں مگر دل سے خفا نہیں ہوتے۔ شاہ ابوالمعالی صاحب نے شاہ بھیک صاحب کو نکال دیا، یا تو یہ روتے پھرتے تھے، تین دن کے بعد پھر وہی الطاف وہی انعام تو شاہ ابوالمعالی صاحب نے زبان سے تو نکالا تھا مگر دل سے جذب کر رہے تھے اگر دل سے بھی نکال دیتے تو شاہ بھیک صاحب کو کبھی شوق و ذوق نہ پیدا ہوتا۔ ع

نفرت فرعون میدان از کلیم

فرعون کو جو موسیٰ علیہ السلام سے نفرت تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نفرت تھی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو بھی فرعون سے نفرت تھی جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار پر ایمان لاتا ہوں تو جبریل علیہ السلام نے اس کے منہ پر کیچڑ ٹھونس دی کہ تیرا منہ اس لائق نہیں کہ تو اس سے کلمات ایمان جاری کرے تو پھر موسیٰ علیہ السلام کو کیوں نہ نفرت ہوتی۔

اللہ پاک نے سب کو نیک کیوں نہ بنایا

اب آگے مسئلہ تقدیر کا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو ایسا کیوں بنایا۔ ایک مرتبہ مجھے شبہ پیدا ہوا کہ حق تعالیٰ کو قدرت تھی کہ ابتداء ہی سے سب کو نیک بنادیتے پھر کیوں نہ ایسا کیا، میرے قلب میں خود بخود جواب پیدا ہوا کہ۔

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد[1]

(۱) عشق کے کارخانے میں کفر کا ہونا ضروری ہے اگر ابولہب نہ ہوگا تو آگ دوزخ کس کو جلائیگی

بس تسلی ہو گئی کہ حکم تکوینی کا مقتضا یہی ہے کہ کوئی نیک ہو کوئی بد[۱] ہو۔ کوئی مومن ہو کوئی کافر ہو، آگے تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام اور جبریل علیہ السلام کو نفرت تھی اس سے، اسے بھی نفرت تھی۔ تو یہ بزرگوں کی محبت تھی کہ تم ان کی طرف کھنچتے ہو، بہرحال انہیں شفقت ہے اور اہل ظاہر کو شفقت نہیں اسی واسطے ایک دفعہ کہہ کر بس نہیں کیا، مانو چاہے نہ مانو اور وہ تدبیریں نکالتے ہیں طرح طرح کی سوجھتیں پیدا کرتے ہیں۔

مضامین قرآن میں تکرار کیوجہ

یہاں سے آپ کو قرآن مجید کی تکرار کا حال معلوم ہو گیا ہوگا کہ مختصر المعانی[۲] میں تکرار نہیں بدایہ[۳] میں تکرار نہیں، اور قرآن مجید میں تکرار ہے۔ حضرت آپ باپ بنے ہوں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ شفیق باپ کا جی نہیں مانتا ایک ہی بات کو بار بار کہتا ہے ایک دفعہ کہہ چکتا ہے مگر جب پھر وہی حرکت کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو بمقتضائے[۴] شفقت پہلے کہے ہوئے پر اکتفا[۵] نہیں کرتا بلکہ پھر کہتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی تکرار بھی عین شفقت ہے اس کی معترضین نے یہ قدر کی کہ اعتراض کرتے ہیں یہ شفقت ہی تو ہے کہ دو ہاتھ دو پیر دو آنکھیں دو کان دیئے۔

ایک ملحد نے قرآن کی تکرار پر اعتراض کیا تھا کہ خدا تعالیٰ مکرر کیوں فرماتے کسی مخلوق کا اس میں تصرف[۶] ہوا ہے۔ بادشاہ وقت نے اس کو یہ سزا دی کہ

---

(۱) اس خدا کے چاہنے سے مرتکب گناہ کا معذور ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ تکوینی طور پر اس کا شمار مسلمانوں میں ہے یا کفار میں یہ تو اپنے اختیار سے مسلم یا کافر ہوا۔ اس اختیار کو اختیار کرنے پر ہی اس کو جزا و سزا ہے (۲) کتاب کا نام ہے (۳) کتاب کا نام ہے (۴) شفقت کے تقاضے سے (۵) پہلے کہے ہوئے کو کافی نہیں سمجھتا (۶) یعنی کسی نے قرآن میں تحریف کی ہے اللہ کو ایک بات بار بار فرمانے کی کیا ضرورت تھی

جلاد کو حکم دیا کہ ایک ایک عضو حذف کردو[1]۔ کیونکہ تکرار خدا کا فعل نہیں ہے تکرار شیطان نے کی ہے۔ بس حکومت عجب چیز ہے اگر حکومت ہوتی تو ان معترضین کی بھی تکرار حذف کردی جاتی۔ پھر کسی کے دل میں اعتراض وشبہ تو کیسا وسوسہ بھی نہ آتا۔ بہر حال تکرار کی یہ وجہ ہے اور یہ ایک عجیب بات ہے جو منقول نہیں دیکھی، شفیقوں کے برتاؤ میں غور کرنے سے ایک بات مذکور ہوتی۔ ذہن میں آگئی، واقعی قرآن سمجھنا ہو تو عامہ خلائق کے حالات میں غور کرو تو اسرار اچھی طرح منکشف ہوجاویں گے۔ اب آپ نے نظر تصنیف سے دیکھا تو خواہ مخواہ شبہے پیدا ہوں گے تو شیخ کامل اور عالم ظاہری میں یہ فرق ہے کہ یہ ایک ہی بات کو مکرر بتلاتا ہے اور وہ ضابطہ کا برتاؤ کرتا ہے۔ اس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ کھدیا سب کو کہ دس مرض تمہارے اندر ہیں مگر ایک ایک کو چھڑائے گا کہ بار اور گرانی نہ ہو اور وہ چاہے گا کہ آج ہی تمام چھوڑ کر یہ جنید وقت بن جائے۔ اسی وجہ سے بعضے شیوخ پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امراض میں مبتلا پاتے ہیں اور علاج نہیں کرتے۔

شیخ کامل سے اپنے حال نہ چھپائے

ایک چور تھا اسے اپنی حالت پر افسوس ہوا۔ ایک بزرگ کے پاس جاکر مرید ہوگیا۔ ان بزرگ نے مرید کرلیا اور اس سے بھی توبہ کرائی کہ چوری مت کرنا اور خانقاہ میں رہنے کی اجازت دیدی، صبح کے وقت ذاکرین[2] اٹھتے ہیں جوتے ندارد[3]۔ بڑی تلاش کے بعد اس طرح ملتے ہیں کہ میرا وہاں آپ کا وہاں ایک

---

(۱) جتنے اعضاء دو دو ہیں جیسے دو کان دو آنکھیں ان میں سے ایک ایک کاٹ دو اس لیے کہ اللہ تکرار کو پسند نہیں کرتے بقول اس کے (۲) ذکر کرنے والے (۳) جوتے غائب

پوائی میری تو ایک آپ کی[1] تو بڑی دقت تلاش کرنے میں ہوا کرتی تھی آپس میں سب ذاکرین کہنے لگے یہ واہیات حرکت کون کر جاتا ہے۔ اس کو پکڑنا چاہیے۔ ایک صاحب پہرہ پر مقرر کیے گئے جب رات زیادہ گذری اور سب سو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ نئے مرید صاحب یہ حرکت کر رہے ہیں پکڑے گئے رات بھر پہرہ میں رکھے گئے صبح کو شیخ کی خدمت میں پیش کیے گئے، شیخ نے پوچھا کیوں میاں تم نے یہ حرکت کی اس نے کہا ہاں میں نے یہ حرکت کی ہے۔ دیکھو شیوخ سے اپنے مرض کو کبھی مت چھپاؤ، یہاں تاویلیں نہیں چلیں گی، وہ فراست سے معلوم کر لیں گے اگر کھانسی اٹھ رہی ہے گو سل[2] نہیں ہے فقط دھسک ہے طبیب سے ہرگز نہ چھپاوے۔ اسی طرح شیخ سے عیب نہ چھپاوے بلکہ اگر شیخ کہے اور تم میں وہ مرض نہ بھی ہو تو کہہ دو ہے۔ تمہارا حرج ہی کیا ہے آپ تاویلیں کیوں کرتے ہیں۔ حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں:۔

چند انکہ گفتیم غم با طبیباں
درماں نکردند مسکیں غریباں[3]

اس سے مراد اہل ظاہر ہیں:۔

ماحال دل را با یار گفتیم   نتواں نہفتن درد از طبیباں[4]

اس سے مراد شیوخ کامل ہیں حبیب سے کیا راز اسی طرح مرشد کہ اس سے نہ چھپانا چاہیے۔

---

(۱) جوتے کا ایک پیر میرا تو ایک آپ کا (۲) مشہور مرض کا نام ہے جس سے پھیپھڑے میں زخم ہو کر خون منہ کی راہ سے نکلتا ہے (۳) جتنا کہ میں نے اپنا غم طبیبوں کو بتایا انہوں نے غریب مسکینوں کا علاج نہ کیا (۴) میں نے اپنے دل کا حال اپنے یار (یعنی شیخ) سے کہہ دیا اس لیے کہ طبیب سے درد دل چھپانا نہیں چاہیے۔

ہر شخص سے اپنا حال نہ بیان کرے

ناقص سے تو کچھ نہیں۔ ایک دفعہ ایک حالت مجھ پر پیش آئی تھی اس وقت معلوم ہوا کہ ہر ایک اس کا اہل نہیں کہ اپنی حالت اس پر ظاہر کی جاوے اناڑی آدمی لمبے چوڑے وظیفوں سے کام لیتے ہیں جس طرح کپاس بھائی بوجھو گے جہاں ان سے ایک بات کہی انہوں نے ایک وظیفہ بتلادیا۔ دوسری حالت کہی اس کے لیے انہوں نے ایک اور وظیفہ بتلادیا۔ انہوں نے کہا وسوسے آتے ہیں انہوں نے ایک وظیفہ بتلادیا۔ غرض وظیفہ در وظیفہ بتلاتے چلے جاتے ہیں علی حزین[1] جس وقت دہلی میں آیا ایک مکان کرایہ کا لیکر ٹھیر گیا دو تین روز کے بعد مالک مکان نے آکر پوچھا کہ کوئی تکلیف تو نہیں کہا کوئی تکلیف نہیں مگر اس تذکرہ الاولیاء کو کہیں اور بسادو۔ اس مکان کے ایک حصے میں ایک مداری فقیر رہتا تھا، جو شجرہ پڑھا کرتا تھا[2]۔ علی حزین نہایت نازک دماغ تھا۔ اسے تکلیف ہوتی تھی تو میں کہتا ہوں کیا مجموعہ وظائف بنوگے۔ یہ تو شیخ غیر کامل کی تربیت کا حال ہے۔ شیخ کامل کہتا ہے وسوسے آنے دو کچھ پرواہ نہ کرو عوام الناس کے نزدیک وہی زیادہ شفیق ہیں جو مجموعہ وظائف بنادیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرت کیسے شفیق ہیں ارے بھائی تمہیں کیا خبر علاج کرو نسخہ برتنے سے معلوم ہوگا تو ایسی ہی بڑی بڑی حالتیں پیش آتی ہیں غرض اناڑی سے تو کہو نہیں۔ ایک اناڑی پیر نے ایک شخص کو حبس دم[3] کا شغل بتلایا اس نے کرنے کے بعد اپنی حالت کہی کہا کیے جاؤ یہاں تک کہ وہ

(۱) فارسی کو مشہور شاعر ہے (۲) صوفیاء کے یہاں بطور سند متصل کے انہوں نے یہ فن تصوف کس سے سیکھا ہے بزرگوں کے ناموں پر مشتمل اشعار ہیں جن میں ان سے لیکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو تصوف کے امام ہیں تک تمام بزرگوں کے نام ہوتے ہیں اس کو شجرہ کہتے ہیں بطور برکت بزرگوں کے پڑھنے کا معمول ہے (۳) سانس روکنے کا وظیفہ

غریب مر گیا- میں کہتا ہوں اس پیر پر خون کا گناہ ہوا-

حدیث شریف میں ہے **من تطبب ولم یعلم منه الطب فهو ضامن** یعنی جو شخص بغیر جانے ہوئے علاج کرے گا وہ ضامن ہے اسی طرح جو شخص بغیر جانے ہوئے پیری مریدی کرے وہ ضامن ہوگا کہ علت دونوں میں مشترک[1] ہے۔ جیسے ایک طبیب نے کسی کو مسہل دیا تھا- حال کہا گیا حکیم صاحب دست آرہے ہیں انہوں نے کہا آنے دو، کہا کہ بہت آرہے ہیں کہا آنے دو یہاں تک کہ وہ مر گیا- حکیم صاحب سے کہا گیا، کہنے لگے اللہ اللہ اتنا بڑا سخت مادہ جس کے نکلنے سے مر گیا اگر رہتا تو نہ معلوم کیا آفت ہوتی-

حضرت ایسی ہی بعض شیوخ کی حالت ہے کہ بس چڑھ جانے سولی پر اللہ بھلا کرے گا- ایسوں ہی کی نسبت فرماتے ہیں-

دست ناقص دست شیطان ست وریو

یعنی جو شیطان سے بیعت کا نتیجہ ہے وہی ایسے شیخ کی بیعت کا انجام ہے تو غیر کامل سے ظاہر نہ کرے کامل سے چھپائے نہیں- غرض چور سے پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کی اس نے کہا ہاں کی- کیوں کی- کہا جب وقت چوری کا آتا ہے تو نفس کہتا ہے چل چوری کریں کہتا ہوں اچھا چل کریں گے تھوڑی دیر تک جوتیاں الٹ پلٹ کرتا ہوں تو طلب و تقاضا بجھ جاتا ہے اگر آپ منع کریں گے تو پھر چوری کروں گا- شیخ نے کہا کہ تم ہیرا پھیری[2] کیا کرو- ذاکرین سے بھی کہدیا کہ اس سے کوئی تعرض[3] نہ کرے میں شیخ سے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اس وقت ہیرا پھیری اس کے لیے واجب تھی-

---

(۱) ایسے وہ شخص ہے جو باقاعدہ درسیات پڑھے بغیر صرف مطالعہ کر کے اپنے کو عالم کہلانے اور مسئلے بتانے (۲) ادھر کے جوتے ادھر اور ادھر کے جوتے ادھر کر دیا کرو (۳) جھگڑا نہ کرا کرو

بزرگوں کے تربیت کے مختلف انداز

یہی راز ہے امام غزالیؒ کے اس قول کا کہ وہ فرماتے ہیں جب تسبیح سے جی گھبرائے تو واجب ہے ہنسنا بولنا اس وقت کے علمائے کو ان کی کتاب آگ میں جلوائی مگر بعد میں وہ سونے سے لکھی گئی امام غزالی کے فتوے عجیب و غریب ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ معظمہ کے متعلق مضامین شوقیہ کا بیان کرنا ایسے شخص کے سامنے جس کو حج اس لیے جائز ہی نہیں (کہ اہل وعیال سے فرصت نہیں) حرام ہے۔ اب وحشت(۱) ہوئی کہ مکہ مکرمہ کے فضائل کے بیان کرنے کو حرام فرماتے ہیں اس واسطے حرام فرماتے ہیں کہ وہ سن کر چل پڑے گا اور گنہگار ہوگا اور اس کے گناہ کا سبب یہ فضائل بیان کرنے والا ہوگا۔ حضرت محقق ہونے کی ضرورت ہے ایسے امور حضور ﷺ سے بھی ثابت ہیں۔ بنی ثقیف جس وقت مسلمان ہونے آئے تو حضور ﷺ سے یہ شرط کی کہ ہم مسلمان تو ہوتے ہیں مگر نہ زکوۃ دیں گے نہ جہاد کریں۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ لوگوں کو بڑی وحشت ہوئی کہ ترک فرض کی اجازت دیدی آپ نے فرمایا مسلمان تو ہونے دو مسلمان ہو کر سب کچھ کریں گے۔ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک ڈوم حاضر ہوا عرض کیا میں مرید ہونا چاہتا ہوں مگر طبلہ سارنگی نہیں چھوڑوں گا حضرت نے فرمایا اس شرط سے مرید کرلیں گے کہ جماعت کی نماز کبھی مت چھوڑنا۔ اس نے کہا بہت اچھا قسم کھالی۔ ایک جگہ مجلس نشاط تھی وہاں یہ بھی تھا جب آذان کی آواز آئی طبلہ سارنگی چھوڑا آذان کی آواز پر چلے۔ تمام مجلس بے لطف، اب تمام میں شہرت ہوئی کہ اس کو بلانے سے مجلس بے لطف ہوجاتی ہے۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے بلانا ہی چھوڑ دیا۔ تو

---

(۱) گھبراہٹ

ان حضرات نے تو طبلہ سارنگی نہیں چھوڑا مگر طبلہ سارنگی نے انہیں چھوڑ دیا۔ سبحان اللہ طبیب ایسے ہوتے ہیں کہ کونین تلخ تھی مگر اس پر شکر لگا کر اسے شیریں کر دیا ایک شخص نے حضرت[1] سے بیعت کی اور شرط کی کہ نماز نہیں پڑھوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا مگر تھوڑا سا اللہ کا نام لے لیا کرنا عرض کیا بہت اچھا اور بیعت ہوگئے۔ نماز کا وقت آیا آپ کا ارادہ تھا کہ نہ پڑھوں گا بدن میں خارش ہونے لگی۔ ہزار تدبیریں کیں مگر کسی طرح نہ تھمی۔ بس ٹھنڈا پانی جو لگایا تو کسی قدر سکون ہوا مگر بالکل رفع نہ ہوئی، لوگوں نے کہا وضو تو کرچکے نماز پڑھ لو شاید رک جائے۔ اب جو نماز شروع کی سکون بڑھتا گیا جوں ہی ختم ہوئی بالکل سکون ہوگیا۔ بس جہاں وقت نماز کا آیا خارش شروع ہوئی ادھر نماز ختم کی خارش رک گئی۔ میں نے جس وقت انہیں دیکھا پکے نمازی تہجد گذار تھے یہ تو برکت تھی مگر تدبیریں بھی ہوتی ہیں۔

قادر بخش خاں رئیس نماز نہیں پڑھتے تھے مولانا مظفر حسین صاحب جب گڑھی تشریف لائے انہیں معلوم ہوا خاں صاحب کے پاس گئے اور فرمایا کہ مجھے آپ سے کچھ مختصر سا کہنا ہے انہوں نے کہا فرمایئے۔ فرمایا کہ آپ نماز نہیں پڑھتے نماز پڑھا کیجئے خانصاحب نے کہا یہی بات ہے مجھے ڈاڑھی چڑھانے کا شوق ہے وضو کرنے سے سب بال برابر ہو جاتے ہیں اور بے وضو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ فرمایا بے وضو ہی پڑھ لیا کیجئے اجازت ہے۔ خانصاحب نے ایک وقت کی نماز تو بے وضو پڑھی۔ جب دوسرا وقت آیا خیال پیدا ہوا کہ کیا بے وضو پڑھیں محنت بھی کریں اور نفع کچھ بھی نہ ہو، بس ایک وقت بے وضو پڑھ کے دوسرے وقت سے باوضو نماز پڑھنے لگے اس طرح سے وہ نمازی بن گئے اور ڈاڑھی چڑھانا بھی چھوٹ گئی۔ حضرت تو ایک چنگاری لگا گئے تھے۔ تو بزرگوں کی یہ بات ہے

[1] حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

ناقصین کیا سمجھیں، گو پیری مریدی کرنے لگیں۔

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

در نیابد حال پختہ ہیچ خام   پس سخن کوتاہ باید والسلام[1]

جبراً ہر بات سے روکنے کا نقصان

اور ایسے ہی مبصر کا کام ہے کہ بچوں کو ہر بات سے نہ روکے۔ ایک حکایت ہے کہ ایک شخص کے گھوڑے میں مرض تھا کہ لید[2] کرکے پلٹ کے اسے سونگھتا تھا جب آگے بڑھتا تھا، ایک شخص مسافر سوار ملے کہا میں اس کا یہ عیب نکالدوں گا اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے پیچھے چلے گھوڑے نے اپنی عادت کے موافق جہاں لید کرکے اسے سونگھنے کا قصد[3] کیا ان مسافر نے جو کہ پیچھے تھے منہ پر ایک چابک رسید کیا گھوڑا سیدھا سیدھا آگے کو ہولیا۔ دس بارہ کوس[4] اسی طرح قطع ہوئے اور پھر اس نے دو چار مرتبہ مار کھانے کے بعد ایسا نہیں کیا سمجھے کہ اب ٹھیک ہوگیا۔ آگے اس مسافر کا راستہ بدلتا تھا وہ جدا ہو کر چلا گیا۔ اب جو چلے تو اس نے دیکھا اب وہ گو توال تو ہے نہیں لوٹتا اور تمام لیدوں کو سونگھتا ہوا چلا گیا ساری منزل گویا کل عدم[5] ہوئی انھوں نے کہا اچھا درست کیا اس سے تو پہلے ہی اچھا تھا کہ اتنا تو حرج نہ ہوتا بات کیا تھی کہ قوت شامہ[6] میں

(۱) ہر وہ شخص جس کے پاس آئینہ ہو سکندری نہیں جانتا کہ آئینہ سکندر کی دریافت ہے (اسی طرح ہر وہ شخص جس کا سر منڈا ہو قلندر نہیں ہوتا ان دونوں صفتوں کے حامل ابھی پختہ حال کو نہیں پہنچے بلکہ ابتدائی مرحلہ میں ہیں ان سے لمبی بات کرنا بیکار ہے تو بس سلام ہی کہہ دو (۲) پاخانہ (۳) ارادہ کیا (۴) دس بارہ میل اسی طرح طے کیے (۵) سارا سفر نہ ہونے کے برابر ہو گیا (۶) سونگھنے کی قوت میں سونگھنے کا تقاضا تیز تھا

تقاضا جمع تھا جب اسے موقع ملا اسے پورا کیا اسی طرح اگر بچوں کو ہر شرارت سے روک دیا جائیگا۔ تو ان کے قوت متخیلہ میں اس کا تقاضا جمع رہے گا جب موقع ملے گا ایک دم سے سب کی کسر نکالیں گے۔

نافع مضامین

تو اب آپ نے دیکھا کہ یسّرا (۱) کا کیا راز ہے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تو ہے فعلاً (۲) اور بشّرا ولا تنفّروا (۳) یہ ہے قولاً (۴) یہ عجیب علاج ہے، خصوص اب تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ رحمت و بشارت کے مضامین ترہیب سے زیادہ نافع ہوتے ہیں۔ میں نے ایک رسالہ شوق وطن لکھا ہے کہ لوگ طاعون سے بھاگنے لگے تھے اس کے دیکھنے کے بعد موت کا خوف باقی نہیں رہتا۔ واقعی اگر شوق ہو تو کیوں بھاگے بلکہ اس کے شوق میں تو یہ حالت ہو کہ۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحت جاں طلبم وز پے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آید روزے

تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بروم (۵)

پھر موت سے کیا اندیشہ اس رسالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ مومن کے لیے دنیا کے عیش و آرام سے آخرت کی دوزخ بھی اچھی ہے اس کے دیکھنے کے بعد لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے۔ موت سے وحشت تو کیا اور شوق پیدا ہو جاتا ہے اور اسی کو عراقی فرماتے ہیں۔

---

(۱) آسانی پیدا کرو تنگی نہ کرو (۲) یعنی فعل کر کے دکھاؤ (۳) خوشخبری سناؤ نفرت نہ دلاؤ (۴) یعنی ایسی بات کہو جس سے خوشی ہو (۵) آج کتنا مبارک دن ہے کہ میں ایک ویران منزل (یعنی قبرستان) کی طرف جا رہا ہوں میں اپنی روح کے سکون کو طلب کرتا ہوں کہ اپنے جان جاں کی طرف جا رہا ہوں میں نے یہ نذر مانی تھی کہ جس روز یہ غمناک صورت پیش آئیگی۔ تو میکدہ و چنگ مستانہ اور غزل گاتا ہوا جاؤنگا

شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی[1]

کہ گویا موت کے لیے تیار ہوگئے ہیں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ بشاشت سے بہت نفع ہوتا ہے۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

یہ اسلام کاہے سے پھیلا؟ یہ پھیلا تبشیر[2] سے، تالیف قلب سے، حسن تدبیر سے نہ کہ شمشیر، سے کیوں صاحب اگر بزور شمشیر پھیلا تو اتنے شمشیر زن[3] کہاں سے آئے تھے اور پھر وہ کیونکر مسلمان ہوئے۔ وہ تالیف قلب ہی سے مسلمان ہوئے۔ حضرات صحابہ کرام کا طرز عمل ان کی حالت دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ یسرا کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اپنی اصلاح پوری طرح کرلو کہ دوسرے کے دیکھنے سے اصلاح ہوجاوے میں جو ترغیب صحبت کی دیتا ہوں اس میں یہی راز ہے کہ دیکھتے اصلاح ہوجاتی ہے۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے میں اسے پسند نہیں کرتا کہ خوامخواہ لوگوں سے اپنے شیخ کی ثنا و صفت کی جاوے میں اس کو استخواں فروشی[4] سمجھتا ہوں۔ یہ مہمل بات ہے اس میں دوسرے کو شبہ ہوجاتا ہے کہ یہ گرگے[5] انہیں کے چھوڑے ہوئے ہیں۔

دوسروں کی اصلاح کرنے کا آسان طریقہ

پس تعریف کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنی حالت درست کرلو کہ لوگ تمہارے

---

(۱) دشمن کا یہ مقدر نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو جبکہ تیرے دوستوں کا سر سلامت رہے تو خنجر آزمائی کر (۲) خوشخبری سنانے سے (۳) تلوار چلانے والے (۴) اپنے بزرگوں اور باپ دادا کی تعریف کرنا اور ان کی بزرگی کی پرواہ نہ کرنا اور خود نااہل ہونا (۵) چیلے

مربی کی تعریف کریں کہ ان کی صحبت میں یہ اثر ہے۔

"گلے خوشبوئے در حمام روزے ... رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ... کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم ... و لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد ... وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"(۱)

جب ایک شخص کی صحبت سے تمہاری حالت درست ہوئی تو یہ طریقہ کھینچنے کا ہے ہرگز یہ طریقہ اچھا نہیں کہ لوگوں کو کھینچو۔ یہ گروہ بندی ہے ہاں اگر کوئی خود رغبت کرے تو مضائقہ نہیں اب تک اس طریقے کی بھلائی ذہنوں میں جمی ہوئی تھی اس لیے میرے یہ الفاظ ناگوار ہوئے ہوں گے مگر کیا کروں تجربہ سے مجبور ہوں کہ اس طریقے میں بہت سی خرابیاں معلوم ہوئیں تو بہر حال ایک طریقہ اصلاح کا یہ ہے کہ خود اپنی حالت درست کرو۔

عالم باعمل کی نصیحت موثر ہوتی ہے

ایک بڑھیا اپنے لڑکے کو ایک بزرگ کی خدمت میں لائی اور عرض کیا کہ حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے اسے نصیحت فرما دیجیے ان بزرگ نے فرمایا کل لانا۔ دوسرے دن بڑھیا اس لڑکے کو لائی ان بزرگ نے نصیحت فرما دی کہ میاں گڑ بہت مت کھایا کرو نقصان کرتا ہے اس کے بعد اس لڑکے نے گڑ کھانا چھوڑ دیا۔ خدام

(۱) ایک روز خوشبو دار مٹی حمام میں محبوب کے ہاتھ میں آ گئی۔ محبوب نے پوچھا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری خوشبو نے مجھے مست کر دیا ہے۔ بولی کہ میں تو ایک ناچیز مٹی ہوں البتہ ایک مدت تک پھول کی صحبت میں رہی ہوں اس صحبت کی وجہ سے اس کا کمال مجھ میں اثر کر گیا اور یہ خوشبو مجھ سے آنے لگی ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جس کی کوئی حقیقت نہیں

نے پوچھا کہ حضرت ایک دن کی تاخیر میں کیا مصلحت تھی- فرمایا کہ جب تک مجھے بھی گڑبھانے کی عادت تھی اب میں نے وہ عادت چھوڑ دی- اگر اس وقت کہتا تو اثر نہ ہوتا- اب میرے لہجہ میں، قوتِ زبان میں برکتِ قلب میں طاقت پیدا ہوگئی- آپ تجربہ کر لیجیے کہ ناصح غیر عامل کا لہجہ نرم ہوتا ہے نہ برکت ہوتی ہے نہ قوت ہوتی ہے اس سے اثر بھی نہیں ہوتا اگر کوئی غیر عامل بتکلف اپنے لہجہ میں قوت پیدا کرے تو اس کی وقاحت اور بے شرمی ہے اسی ضعف کو کسی نے کہا ہے-

احب مناجاة الحبیب با وجه ولکن لسان المذنبین کلیل

محبوبوں سے باتیں کرنا چاہتا ہوں مگر خطاوار ہوں اس لیے زبان یاری نہیں دیتی-

تفسیر آیت میں ازالہ شبہ

ایک اور بات بھی تو ہے جب اس طرح سے کہا جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ بھی کیسا کرتے ہیں تو جائز بھی نہ ہوگا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لم تقولون مالا تفعلون [1] طالب علموں کے کام کی بات ہے یہ معنی نہیں جو خود نہ کرے وہ کہے بھی نہیں کیونکہ لم تامرون نہیں فرمایا نکتہ اس میں یہ ہے کہ امر ہوتا ہے انشاء اور یہاں ہے قول جو اخباری ہے اب معنی یہ ہوئے کہ لم تخبرون عمالاتفعلون [2] چنانچہ خود فرماتے ہیں ان اللہ یحب الذین یقاتلون [3] الایہ- شان نزول دیکھ لو شان نزول اس کا یہ ہے کہ بعض

(۱) تم وہ کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں (۲) تم اس کی خبر کیوں دیتے ہو جو کرتے نہیں (۳) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو قتال فی سبیل اللہ کرتے ہیں

لوگوں نے دعویٰ کیا کہ اگر ہم کو معلوم ہو جاوے جس سے خدا راضی ہو تو ہم بھی کریں نازل ہوا کرو۔ نہ کر سکے، بس وہ لوگ دعوی ہی کرنے کا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی انہوں نے فقط دعویٰ کیا تھا کسی کو نصیحت تھوڑا ہی کی تھی بس خوب سمجھ لو۔ نصیحت کرنا تو فی نفسہ جائز ہے مگر اس طرز سے ناجائز ہے کہ باوجود عامل نہ ہونے کے عامل معلوم ہو اس حیثیت سے متضمن کذب ہے نہ اس حیثیت سے کہ نصیحت ہے اب اکثر لوگ اس کی تفسیر غلط سمجھتے ہیں چنانچہ مولوی صاحب سے کوئی وعظ کو کہے تو آیت پڑھ دیتے ہیں۔ لم تقولون مالا تفعلون۔ بھائی اگر تم عامل نہیں بھی ہو تو وعظ کہنے میں کیا حرج ہے ہاں اس طرح نہ کہو کہ عامل معلوم ہو کہ کذب اور کبر ہے اسی طرح اگر کوئی اپنی حالت ایسی بنائے جس سے تارک معلوم ہو تو اسی حالت کاذبہ کے اظہار کا گناہ ہوگا۔ اسی طرح چاہے حال ہو چاہے قال ہو ما لا تفعلون کے خلاف ہوگا ناجائز ہوگا تو ایسے طور پر نصیحت کرنا بھی جائز نہیں اور اس طرح سے نصیحت کرنے میں کچھ حرج نہیں کہ عامل نہ معلوم ہو۔ ہاں دوسرے کو ایسی نصیحت سے کم نفع ہوگا۔ چنانچہ مشائخ کہتے ہیں جو شیخ ذکر و شغل نہ کرتا ہو اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی اسی واسطے خود حضور ﷺ کو ارشاد ہے والی ربک فارغب کہ خلوت اختیار کیجیے کہ جہاں تصور کے اعتبار سے بھی کوئی نہ ہو تھوڑا سا بھی وقت خلوت کا اگر کوئی مقرر کرلے تو تعلیم میں برکت ہوتی ہے اور اثر بھی زیادہ ہوتا ہے تو پیروں کی خلوت بھی یسرا میں داخل ہے۔

ایک علمی نکتہ

آگے فرماتے ہیں بشرا ولا تنفروا یہاں پر ایک بات اہل علم کے

سمجھنے کی ذہن میں آئی کہ تبشیر کے مقابل تو انذار آتا ہے تنفر کا لانا بظاہر بلاغت کے خلاف معلوم ہوتا ہے یا تو آنسا ولا تنفرا[1]۔ فرماتے یا بشرا ولا تنذرا[2] فرماتے کہ مقابلہ درست ہو جاتا۔ آج ہی یہ بات سمجھ میں آئی کہ بہت بڑی بات کی طرف اشارہ فرمادیا۔ بات یہ ہے کہ بشرا کے وہ معنیٰ مراد لیے ہیں جو تنفرا کے مقابل ہیں نہ وہ معنی جو لا تنذرا کے مقابل ہیں تو تبشیر اس مقام پر تنفیر کا تو مقابل ہے اور انذار کا مقابل نہیں۔ کیونکہ انذار کو بھی شامل ہے۔

انذار کے اقسام

انذار کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ وحشت ہو ایک یہ کہ الفت ہو پہلی قسم تنفرا میں داخل ہے دوسری قسم بشرا میں داخل ہے مثلاً انذار سے یوں بھی خوش ہوتا ہے کہ جب مردہ کو قبر میں رکھدیتے ہیں تو جنت سے پہلے دوزخ دکھلائی جاتی ہے کہ اگر اعمال اچھے نہ ہوتے اور اصلاح نہ ہوتی تو یہ ٹھکانہ تھا تو اس جہنم دکھلانے کو دخل خوش کرنے میں نہیں تو کیوں دکھلائی۔ حضرت جہنم دکھلا کر خوشی اور بڑھادی۔ اب جنت کو دیکھ کر زیادہ خوشی ہوگی الحمدللہ الذی نجانی[3] اسی طرح جو دنیا کے رنج و غم دیکھ چکے ہیں وہ کہیں گے۔ " الحمدللہ الذی اذھب عن الحزن "[4]۔ حدیث میں ہے کہ جب تمام اہل ایمان جنت میں چلے جائیں گے اور جنت نہ بھرے گی تو حق تعالیٰ جنت کے لیے ایک نئی مخلوق اور پیدا کریں گے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے بجائی ان سے تو ہم زیادہ مزہ

---

(۱) مانوس کرو متنفر نہ کرو (۲) خوشخبری سناؤ ڈراؤ نہیں (۳) تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے جہنم سے نجات دی (۴) تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے غم کو ہم سے دور کردیا

ہیں ہیں کہ انہوں نے کوئی چیز جنت کے مقابل دیکھی ہی نہیں انہیں اس کی کیا قدر اور کیا خوشی۔ بہر حال انذار کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس سے لوگ نا امید ہو جاتے ہیں۔ اور ایک یہ کہ انذار اور اس کے ساتھ ہی اس سے بچنے کی تدبیر بھی بتادی جاوے۔ مثلاً سلطنت کا ایک حکم اور اس کے ساتھ ہی اس سے بچنے کی تدبیر بھی بیان کر دے اس کو محقق سمجھ سکتا ہے غیر محقق نے چغلی غیبت وغیرہ کا عذاب تو بیان کر دیا مگر یہ نہ بتایا کہ اس مرض سے نجات کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور ایک محقق شیخ کامل جہاں عذاب بیان کرے گا۔ وہاں اسباب اس سے بچنے کی بھی بیان کرے گا۔ مثلاً امراض مذکورہ سے بچنے کے لیے یہ تدبیر بتائے گا کہ بولو تو سوچ کر بولو کہ کسی کی حکایت تو نہیں جس میں غیبت ہو یا شکایت تو نہیں جس میں چغلی ہو تو دیکھو کہ انہوں نے بھی، مگر اس طرح کہ نا امید نہیں کیا اور اہل ظاہر اس طرح کہتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ بچنے کے نیچے مردود⁽¹⁾ ہو گیا شیطان بن گیا اور اہل باطن برابر تسلی دیتے ہیں کہ فکر مت کرو۔ اس سے بچنا بہت آسان ہے۔ اسی طرح نظر بد بد نگاہی⁽²⁾ اہل ظاہر کے نزدیک اس سے بچنے کی کوئی تدبیر ہی نہیں اور اب وہ شخص جہنم سے نہیں بچ سکتا اور اہل باطن تدبیر بھی بتاتے ہیں کہ تم عذاب کا خیال کرو تو یہ مرض جاتا رہے گا سو ایک انذار تو یہ ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے۔

درشتی و نرمی بہم می رسد   چو رگ زن کہ جرح و مرہم نہ است

اس سے امید رہتی ہے غرض ایک انذار تو یہ ہے کہ بالکل مایوس کر دے یہ ناجائز اور ایک وہ کہ جس میں نجات کی تدبیر بھی ہو یہ جائز۔ تو حضور ﷺ نے بشرا میں یہ بات بتلادی حاصل یہ ہوا کہ ایسی بات کہ جس سے تنگی پیدا ہو مت بتاؤ

(۱) راندہ درگاہ (۲) شہوت کی نظر سے عورتوں یا امردوں کو دیکھنا

خیر یہ تو وہ حقوق ہیں کہ دوسرے کی اصلاح کے وقت جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

مصلحین مشائخ کا آپس میں کیا برتاؤ ہو

اب اخیر کا جملہ رہ گیا اس میں یہ بتلادیا کہ مصلحین باہم کیا برتاؤ کریں تو واقعی یہ طبیب کامل کا کام ہے کہ ہر پہلو پر نظر رکھے نہ دوا میں بالکل برودت ہی ہو نہ زا روغن بادام ہی ہو جیسے آج کل کہ یا اصلاح نہیں کی یا کی تو اس طرح کی کہ۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔۔۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اصلاح کا قصد کیا تو امارت کی سوجھی کہ ریفارمر بن بیٹھے اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے مصلحین سے حسد ہے اب چاہتے ہیں کہ کوئی اور پیر یا مولوی نہ رہے جو کچھ ہوں وہ ہم ہی ہوں صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ ان سے لوگ مسئلے پوچھتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ان سے پوچھیے وہ زیادہ جانتے ہیں وہ کہتے ہیں ان سے پوچھیے وہ زیادہ جانتے ہیں یہ حالت کیوں تھی۔ ع

ولیکن مدتے با گل نشستم (۱)

سب صحبت کا اثر تھا اور آج ریفارمر کہلاتے ہیں ان کی یہ شان ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔۔۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اور مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی ۔۔۔ چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

اسی طرح یا تو اصلاح کی فکر ہی نہ تھی یا فکر ہوئی تو دق کرنا شروع۔ خیر ان کو تو جانے دیجیے بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ مشائخ کے یہاں مشائخ کی غیبت ہوئی

(۱) یہ حالت اسی لیے تھی کہ مدتوں پھول (نبی ﷺ) کی صحبت میں رہے

ہے ایک تو غیبت اس لیے کرتا کہ لوگ گمراہی سے بچیں اس میں تو مضائقہ نہیں اور اس کو حقہ پیچوان کے درجہ میں رکھنا یہ بہت برا ہے۔

آج کے مریدین کی حالت

آج کل معتقدین کی یہ حالت ہے کہ اپنے مشائخ کی مجلس میں یا دوسرے مشائخ کی غیبت کریں گے یا اپنے شیخ کے کمالات کی حکایت گو وہ خلاف واقع ہی ہو بیان کریں گے کہیں ان کے مکاشفات کی فہرست کہیں کرامات کی تفصیل اگرچہ بچے شیخ اپنے کشف کا انکار بھی کریں مگر یہ نہیں مانتے ایک بزرگ سے ذرا فاصلہ پر بیٹھے ہوئے دو معتقد آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ فلانی مسجد جو بنی ہے مولانا کو کشف ہوا تھا ان بزرگ نے سن لیا اور فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ مجھے کشف نہیں ہوتا تو وہ صاحب دوسرے سے کہتے ہیں پڑے کہو ہوتا ہے۔ لیجیے شیخ بقسم اپنے کشف کا انکار کرتے ہیں مگر معتقد صاحب نہیں مانتے واقعی ایسے ہی مریدوں نے بعض پیروں کو بگاڑ دیا ایک تو کشف کرامت منسوب کر وان کو کو بد دماغ بنا دیا۔ دوسرے بد ایا کہ جب شیخ کے پاس آؤ تو کچھ نہ سہی تو پھول ہی لیکر آؤ اس سے بد نیت بنا دیا اور اس کے بارہ میں ایک اردو کی آیت بھی بنالی کہ خالی جاوے خالی آوے سو سمجھ لو اگر روپے سے خالی جاوے تو کچھ حرج نہیں اور نہ اس کے یہ معنی ہو سکتے کہ روپیہ پیسہ سے خالی جاوے تو خالی آوے۔ بلکہ یہ معنی یہ ہیں کہ اگر خلوص و طلب سے خالی جاوے تو خالی آوے تو جناب پیروں کو اس کا انتظام کرنا چاہیئے کہ ہمیشہ ہدیہ نہ لیا کریں کہ جب مرید کا منہ دیکھا خیال پیدا ہوا کہ کچھ ہدیہ لایا ہوگا اس سے یہ ہوگا کہ خدا پر نظر نہ رہے گی مرید پر نظر رہا کرے گی۔

جاہل پیر کی حکایت

افسوس پیر تو اس کے دین کو درست کرے اور یہ اس کے صلہ میں پیر کا دین بگاڑتا ہے پھر تو پیر کی وہ حالت ہوجاوے گی کہ ایک مرید نے پیر سے خواب بیان کیا کہ آپ کی انگلیوں میں شہد بھرا ہوا ہے اور میری انگلیوں میں گوہ، پیر بولے تو دنیادار ہے اور ہم دیندار، مرید بولا ابھی خواب پورا نہیں ہوا یہ بھی دیکھا کہ میں آپ کی انگلیاں چاٹ رہا ہوں اور آپ میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں- خیر یہ خواب ہو یا نہ ہو مگر یہ نقشہ ہے رسمی پیر اور مرید کے حال کا- مطلب یہ تھا کہ مرید پیر سے دین حاصل کر رہا ہے- اور پیر مرید سے دنیا حاصل کر رہا ہے، تو بھی اپنے پیر کو ایسا ہی بناؤ گے-

پیر کامل کا طرز عمل

ہمارے حضرت کے یہاں یہ دستور تھا کہ کوئی لاتا تھا اور کوئی لیجاتا تھا- ایک امیر نے حضرت کی خدمت میں چھ ہزار روپے پیش کیے حضرت نے دوسرے حاجتمند کو دے دیا- حضرت یوں بھی روپیہ دو روپے برابر دیتے رہتے تھے- فرماتے تھے کہ میں بعض آدمی سے جو اس لیے ہدیہ لے لیتا ہوں کہ یہ شخص حرم کے ثواب سے محروم[1] نہ ہو، اللہ اکبر اس میں بھی ہمارے ہی نفع کا خیال، ایک شخص نے حضرت کے یہاں ایک ہدیہ پیش کیا دوسرے روز اور پیش کیا، تیسرے روز اور پیش کیا- حضرت نے مزاحاً فرمایا کہ تھوڑا اس لیے روزانہ دیتے ہیں

---

(۱) کیونکہ حرم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے وہاں ایک درہم ہدیہ کا ثواب ایک لاکھ درہم کے برابر ہوگا اس لیے قبول فرماتے تھے

تاکہ ہر روز جی جوش ہو۔ اس لطیف عنوان سے ان کی پالیسی پر مطلع فرمادیا۔ غرض جب پیر کے پاس جاؤ تو ہدیہ کی پابندی نہ ہو۔ اس میں دونوں طرف خرابی ہے۔ مرید کے لیے تو یہ کہ اگر ہدیہ نہ ہو تو چاہے کیسی ہی ضرورت ہو پیر کے پاس نہیں جاسکتے، اور پیر کے لیے یہ کہ پھر توکل نہ رہے گا مرید پر نظر رہا کرے گی۔

باہم اتفاق پیدا کرنے کی آسان ترکیب

بہر حال جب مال وجاہ کی طلب وحب غالب ہوتی ہے تو دوسروں کی نفی اور تحقیر وتنقیص کرتے ہیں۔ حضور ﷺ اسی کا علاج فرماتے ہیں **تطاوعا ولا تخلفا**[1]۔ یہاں بھی اس اصول بلاغت کے موافق یا تو **تطاوعا ولا تعصیا** ہوتا یا **اتفقا ولا مختلفا** ہوتا مگر اس میں بھی وہی نکتہ ہے کہ بجائے اتفقا کے تطاوعا فرما کر اتفاق کا مبنی بتادیا کہ وہ تطاوع[2] ہے کہ جب ہر ایک دوسرے کو اپنا مطاع ومعظم سمجھے گا اتفاق لازم ہوگا۔

الحمدللہ آج حاجی صاحب کے قول کا مبنی بھی معلوم ہوگیا کہ اتفاق تواضع سے ہوتا ہے اور جب اختلاف ہوگا تکبر سے ہوگا۔ پس فرماتے ہیں کہنا مانو، یعنی ہر ایک دوسرے کو بڑا سمجھو، پھر سبحان اللہ یوں نہیں فرمایا کہ امتثلا بلکہ فرمایا تطاوعا طوع کہتے ہیں خوشی سے کہنا ماننے مطلب یہ کہ خوشی سے کہنا مانو یہ کاشف[3] ہے مولانا محمد یعقوب صاحب کے قول کا کہ لوگ تواضع کو ذریعہ کبر بناتے ہیں کہ ظاہر میں متواضع بنتے ہیں تاکہ لوگ متواضع سمجھیں بس ایسا شخص امتثال تو کرے گا مگر طوع نہ ہوگا۔ پس ایک اتفاق ضابطہ کا اتفاق ہے مگر دل سے نہیں تو تطاوعا سے اس کا امر فرمادیا کہ خوشی سے اتفاق رکھو کہ یہ قلب کا کام ہے۔

---

(۱) ایک دوسرے کی عزت واحترام کرو اور اپنے مخالف سمجھو تو اختلاف نہ کرو (۲) ایک دوسرے کا کہنا ماننا
(۳) مولانا یعقوب صاحب کے قول کی تشریح کرنے والا

پس حضرت کا قول نہایت واضح ہو گیا اور یہ کہ قلب کا کام ہے دلیل اس کی یہ آیت ہے۔ **والف بین قلوبھم**۔ الآیہ یعنی حق تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا، آگے فرماتے ہیں **لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم**۔ اگر آپ تمام روئے زمین کے خزانے صرف کر دیتے تو الفت نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ اے وہ لوگو جو اتفاق اتفاق پکارتے ہو اتفاق اس طرح نہیں پیدا ہوتا صرف چالیس دن کسی اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو تو تمہیں طریقہ معلوم ہو۔

قال را بگذار د حال شو پیش مردے کاملے پامال شو[1]

اور طریقہ یہ ہوگا کہ تمہارے دل سے جو کہ محل ہے اتفاق کا خناس جو برنگ دین و دنیا ظاہر ہوتا ہے دور ہو کر اس میں خلوص پیدا ہو جائیگا اس کے بعد پھر سوسائٹی اور انجمن مبارک ہو ورنہ ایسی انجمن اور ایسے ارکان کی یہ مثال ہے۔

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند
اینچنیں ارکان دولت ملک را ویران کنند[2]

تو یہ آداب ہیں اصلاح کے، سبحان اللہ اس قدر چھوٹے لفظوں سے اس قدر مضمون مستنبط ہوا میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں بیان کیا ہاں میں نے صرف اتنا کیا کہ مضمون کے چہرہ سے نقاب الٹ دی۔ اب معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مضمون نمکین نہیں ہے ورنہ اس میں لوگوں کو جوش آتا، رقت طاری ہوتی۔ اور تلخ بھی نہیں ہاں شیریں ہے۔ اب حق تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ اس شیریں کو ہمارے حق میں گوارا فرمائے اور ہماری ساری تلخیاں دور کر دے۔ آمین۔

تمت

(۱) بڑی بڑی علمی تقریریں کرنا چھوڑو بلکہ اپنے کو اس علم کا عملی نمونہ بناؤ۔ اور یہ بات کسی کامل شیخ کے سامنے اپنے کو مٹانے سے حاصل ہوتی ہے (۲) بلی کو میر بنایا کتا وزیر ہے اور چوہا دربان، جب مملکت کے اس قسم کے ارکان کا انتخاب، ملک کی ویرانی کا سبب بنتا ہے

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

وہ حرم کی سرزمیں وہ صولتیہ مدرسہ
درسگاہ علم دیں وہ صولتیہ مدرسہ

مرکز دین متیں وہ صولتیہ مدرسہ
علم و عرفان کا امیں وہ صولتیہ مدرسہ

مظہر فیضان رحمت ثمرۂ جہد سعید
فکر صولت کا امیں وہ صولتیہ مدرسہ

مظہر خلق سلیم اور جادۂ جہد شمیم
مسند اسلاف دیں وہ صولتیہ مدرسہ

پیکر خلق اکابر مہتمم شیخ حشم
وہ امانات و امیں وہ صولتیہ مدرسہ

چشمۂ فیض علوم حضرت امداد ہے
خانقاہ سالکیں وہ صولتیہ مدرسہ

تربیت گاہ مناسک چشمۂ فیض حرم
موقف حجاج دیں وہ صولتیہ مدرسہ

وہ پرانی مسجد اور وہ درسگاہیں پر سکوں
جس کا ہر گوشہ حسیں وہ صولتیہ مدرسہ

وہ مقدس شہر وہ گلیاں وہ پاکیزہ حرم
وہ مقدس سرزمیں وہ صولتیہ مدرسہ

وہ ہجوم لشکر حجاج پاکستان و ہند
رونق دین مبیں وہ صولتیہ مدرسہ

حارة الباب اور شبیکہ جبل کعبہ کی طرف
ڈھونڈ لیں سب طالبیں وہ صولتیہ مدرسہ

سمت مغرب درمیان باب عمرہ باب فہد
ڈھونڈ لو بس ہے وہیں وہ صولتیہ مدرسہ

یاد آتے ہیں ہمیں عارف وہی شام و سحر
وہ مکان اور وہ مکیں وہ صولتیہ مدرسہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

عاجزانہ التجاء

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

مرے مولا نبی محترم کا واسطہ تجھ کو
ترے دربار کا تیرے حرم کا واسطہ تجھ کو

تری رحمت کا اور تیرے کرم کا واسطہ تجھ کو
الٰہی اولیاء کل امم کا واسطہ تجھ کو

تجھے صدقہ ترے مقبول بندوں کا مرے آقا
خلائق پر ترے جود و کرم کا واسطہ تجھ کو

تری عظمت کا یارب تیری شان کبریائی کا
در کعبہ کا شان ملتزم کا واسطہ تجھ کو

مرے دل کی تڑپ کا والہانہ آرزوؤں کا
مری تنہائیوں میں چشم نم کا واسطہ تجھ کو

شہیدان احد کا اور بدریین کا صدقہ
نبی کی امت خیر الامم کا واسطہ تجھ کو

نبی کی ذات کا اصحاب و آل پاک کا صدقہ
خصوصاً ان کے غم محترم کا واسطہ تجھ کو

ہمیں آباد کر دے اب مدینے پاک میں یارب
رسولان اولو العزم و ہمم کا واسطہ تجھ کو

مدینے کی سکونت اب مری تقدیر میں لکھ دے
کہ عرش و کرسی و لوح و قلم کا واسطہ تجھ کو

مرے سب اہل خانہ کو وہاں مسکن عطا کر دے
ہے پیغمبر کے شہر محترم کا واسطہ تجھ کو

خدا سے عاجزانہ التجا کر ہر گھڑی عارف
دعائیں سن مری یارب حرم کا واسطہ تجھ کو